يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں مگر اللہ اُسے پورا کریگا اگرچہ کافر لوگ ناپسند ہی کریں

ڈائری حضرت مسیح موعودؑ

یعنی

ملفوظات احمدیہ

حصہ چہارم

جس میں سیدنا و مرشدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔ مسیح موعودؑ و مہدی معہود۔ مجدد صدی چاردہم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک ملفوظات

از ۵۔ اپریل ۱۹۰۲ء تا یکم ستمبر ۱۹۰۲ء

مرتبہ و شائع کردہ

خاکسار محمد منظور الٰہی ممبر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام احمدیہ بلڈنگس لاہور

سنہ ۱۳۵۲ ہجری

تعداد طبع (۲۰۰) مطبوعہ کوآپریٹو پریس وطن بلڈنگ لاہور قیمت فی جلد عہ

میں باہتمام ملک فیروز الدین صاحب بی اے چھپا۔

www.aaiil.org

قابل توجہ

اس سے پہلے ملفوظات احمدیہ کے تین حصے ہدیۂ ناظرین کئے جا چکے ہیں۔ جس میں حضرت مسیح موعود کی ڈائری بہ ترتیب تاریخ مختلف اخباروں و رسالوں سے جمع کر کے شائع کی گئی تھی۔ اب یہ چوتھا حصہ شائع کیا جاتا ہے۔ حضرت صاحب کی زندگی کے آخری چھ سات سنین میں جماعت کی ترقی تعداد کے ساتھ آپ کے ساتھ ملاقات کرنیوالوں اور مذہبی امور پر گفتگو کرنے والوں کا سلسلہ بھی ترقی کر گیا۔ اس لئے مختلف امور پر آپ کو تفصیلاً بیان کرنا پڑتا تھا۔ اُن مبارک مکالمات کا بہت سا حصہ اخبارات و رسالہ جات میں محفوظ ہوتا چلا گیا۔ لیکن ان کا ترتیب وار کر کے شائع کرنا نہایت اہم کام تھا جس کی توفیق خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو دی ہے۔ جو اس وقت تک کئی حصے شائع کرنے کے قابل ہو سکا ہے۔

ایک خاص امر جس کا یاد رکھنا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس بات کا ہرگز ہرگز دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ان ملفوظات کا لفظ لفظ حضرت مسیح موعودؑ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ہے کیونکہ آپ کے زمانہ میں خواہ کوئی شخص کتنا ہی زود نویسی کا مدعی ہو وہ یہ دعویٰ نہ کر سکتا تھا کہ اس نے آپ کا ہر ایک لفظ محفوظ کر لیا تھا۔ بعض وقت تو لکھنے والے نے آپ کے چند اہم الفاظ بطور یادداشت لکھ لئے یا آپ کی گفتگو کا صرف مطلب ہی یاد رکھا اور بعد ازاں اُسے اپنے الفاظ میں لکھ لیا۔ اور بعض وقت ممکن ہے کہ خود حضرت صاحب کے ہی بہت سے الفاظ محفوظ کر لئے ہوں۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ بعض اہم امور کی تفصیل اور تفسیر کے لئے آپ کی خود نوشت تحریروں کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور محض تقریروں کے الفاظ پر بھروسہ نہ رکھا جائے۔

خاکسار۔ محمد منظور الٰہی (خانصاحب)

احمدیہ بلڈنگس لاہور

دوا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لئے نہیں کہ ٹکریں ماری جائیں یا مُرغ کی طرح کچھ ٹھونگیں ماریں جیسا کہ اکثر لوگ نمازوں کو ادا کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ پھر بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کے کہنے سننے سے چند روز کیلئے نماز کے پابند ہو جاتے ہیں یہ کچھ بھی نہیں۔ نماز اللہ تعالےٰ کی حضوری ہے۔ اور اُسکی تعریف کرنے اور اُس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کی مرکب صورت کا نام نماز ہے۔ اُس شخص کی ہرگز نماز قبول نہیں ہوتی۔ جو اس غرض اور مقصد کو مدِنظر رکھکر نماز نہیں پڑھتا پس نمازوں کو بہت سنوار سنوار کر پڑھو۔ کھڑے ہو۔ تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف طور پر بتا دے کہ تم اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو۔ اور جھکو۔ تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو۔ کہ تمہارا دل جھکتا ہے۔ اور سجدہ کرو۔ تو اُس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے اپنی نمازوں میں اپنے دین اور دنیا ہر دو کے لئے دعائیں کرو۔

طاعون جو دنیا میں آئی ہے۔ اور اُسنے لاکھوں انسانوں کو زیرِ زمین کر دیا ہے۔ جس سے لاکھوں بچے یتیم اور ہزارہا عورتیں بیوہ رہ گئی ہیں۔ بلکہ کئی گھر لئے بالکل تباہ و برباد ہی ہو گئے ہیں۔ اور خاندانوں کے خاندان بے نام و نشان ہو گئے ہیں۔ یہ خدا تعالےٰ کا ایک غضب ہے۔ جو انسانوں کی غفلت اور حد سے بڑھی ہوئی شرارت اور انکار کی وجہ سے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے۔ کہ جب انسان غافل ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُسوقت خدا تعالےٰ کا غضب جوش میں آتا ہے۔ اس وقت بھی دنیا کی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ کچھ تو خود گمراہ ہی تھے اور اُن میں غفلت اور سُستی آگئی تھی۔ سچے مذہب کے سچے عقائد کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ اور جملہ اعمال عالحہ کی جگہ صرف چند رسومات نے لے لی تھی۔ اس پر پادریوں نے اور بھی سی پلید کی۔ اور مختلف ذرائع سے اُس بھیودہ مذہب کو جسمیں ایک عاجز مُردہ انسان کو خدا بنایا گیا لوگوں کے سامنے عجیب عجیب رنگ دیگر پیش کیا۔ اور اُسکے خون کو گناہوں کا کفارہ قرار دے کر بے باکانہ زندگی بسر کرنیکی ترغیب دی جسکو جو طبائع کو ایک بہانہ مل گیا۔ اور بہت سے لوگ مرتد ہو گئے۔ اور اکثروں کے دلوں سے دل کی عظمت دور ہو گئی پادریوں کے اس فتنہ کے ساتھ ہی یہ نقص پیدا ہوا۔ کہ انگریزی تعلیم

اور انگریزی وضع نے بھی ایک قسم کی نصرانیت پھیلادی۔ اور ہر ایک کے سر میں آزادی ہی آزادی کا خیال بھر گیا اور مغربی یورپ کے فلسفہ اور طبیعات نے اپنی جدید تحقیقاتیں جو پیش کیں تو علماء نے کمی معرفت اور علوم حقہ سے بے خبری کے باعث اسلام کو اور بھی نقصان پہنچایا۔ بعض نے تو اس یورپین فلسفہ سے دب کر تعلیمات قرانی کی ایسی تاویلات کرنی شروع کردیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے کلام پاک کے منشاء صریح کے خلاف تھیں۔ اور پھر بعض نے علوم جدیدہ کے پڑھنے والے مسلمان نوجوانوں کے اعتراضات سن کر اُن پر کفر کے فتوے لگانے شروع کردئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ انگریزی تعلیم نے جو آزادی پھیلا رکھی تھی۔ اُس نے مسلمانوں کے بچوں میں بیباکی پیدا کردی اور چونکہ مسلمانوں میں عام طور پر سستی وغفلت تو پیدا ہو ہی چکی تھی۔ اسلئے سچے عقائد کو چھوڑ چھوڑ کر وہ طرح طرح کی بدعتوں میں گرفتار ہو گئے اور خدا تعالےٰ کے سچے سلسلے اور دین کے خلاف مختلف قسم کی مشرکانہ رسومات۔ وظائف و تعلیمات میں منہمک ہوگئے۔ اور نئے نئے دین قائم کرلئے۔

ان ساری آفتوں کے ہوتے ہوئے جب اللہ تعالےٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق محض اپنے فضل سے ایک بندہ بھیجدیا جو اِن ساری مصائب کا چارہ گر اور مداوا تھا۔ تو اُسے اُن لوگوں نے ناحق تکلیف دی اور اُسکی مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے جب اُنکی مخالفت اور شرارت حد سے بڑھگئی اور خدا تعالےٰ کے حضور ان کی شوخیاں اور گستاخیاں اور بیجا ضد اور عداوت سے ملا ہوا انکار قابل سزا ٹھہرا گیا۔ تو اُس نے اپنے وعدہ کے مطابق اپنے اُس بندہ کی تائید کے لئے طاعون کو بطور سزا کے بھیجدیا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کرتے رہو۔ کہ اللہ تعالےٰ اس مرض سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے۔ طاعون کوئی معمولی مرض نہیں ہے۔ اور نہ اُسکے دورہ کا کوئی خاص نظام ہے۔ بلکہ بعض اوقات یہ سالہائے دراز تک اپنا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ اور اس وقت تو یہ بیماری خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک خاص کام کے لئے مامور کیگئی ہے۔ وہ لوگ غلطی اور گناہ کرتے ہیں جو طاعون کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ خدا کا فرشتہ ہے۔ جو اُسکے بندے کی سچائی پر ایک گواہی قائم کرنے کیلئے آیا ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰)

پس ہمیشہ دعا کرتے رہو۔ کہ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ بظاہر یہ بیماری ہر ایک گاؤں کا دورہ کریگی یہ نہ سمجھو کہ کوئی باقی رہجائیگا۔ بلکہ اس سے وہی بچ سکتا ہے جو توبہ

اور استغفار میں ہمیشہ مصروف رہے اس لئے تمہارے لئے نہایت ضروری ہے
کہ اپنی جان اور بیوی بچوں پر رحم کرو۔ یہ اللہ تعالےٰ کے غضب کے دن ہیں۔ بہت دفعہ
ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان کی بدکاریاں اور شوخیاں اس حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ
جب وہ خود خدا کے غضب سے ہلاک ہو جاتا ہے تو پھر اس لعنت اور غضب کا اثر اُس
کی اولاد تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ ولا یخاف
عقبٰھا یہاں عقبٰھا سے اولاد اور پس ماندگاں مراد ہیں۔ جہاں جہاں طاعون پھیلی ہے
لوگ کتوں کی طرح مرتے ہیں اور اُن میں سے بعض مُردہ چوہوں کی طرح بدبودار ہو جاتے
ہیں۔ اور انہیں کوئی اٹھا بھی نہیں سکتا۔ اور اُن کے جنازوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر قبروں
میں ڈالتے ہیں ہمارے پاس بہت سے خطوط طاعون زدہ علاقوں اور گاؤں سے آتے
رہتے ہیں جن میں لکھا ہوا ہوتا ہے۔ کہ کوئی شخص جنازہ پڑھنے والا نہیں ملتا۔ اور مردار وں
کی طرح مُردوں کو گڑھے کھود کر مٹی میں داب دیا جاتا ہے لیکن تعجب اور افسوس کی بات
ہے۔ کہ لوگوں نے ابھی تک اسباب کی طرف توجہ نہیں کی۔ کہ اللہ تعالےٰ کا یہ غضب کیوں نازل
ہوا؟ میں یقیناً کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو لوگ مامور ہو کر آتے ہیں جب لوگ
اُن کی باتوں کو نہیں مانتے اور شرارت اور شوخی سے اُن کا انکار کر کے ایذا رسانی کی حد تک
پہنچ جاتے ہیں تو پھر اللہ تعالےٰ کا غضب کسی نہ کسی رنگ میں جوش میں آجاتا ہے۔ چنانچہ
انبیائے سابقہ کے وقت میں بھی کسی قوم کو کسی عذاب سے ہلاک کیا گیا اور کسی کو کسی اور
سے۔ لیکن اِس وقت جو مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے اللہ تعالےٰ نے اس شرارت اور شوخی
سے ملے ہوئے انکار کی سزا کے لئے طاعون کو مقرر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریمؐ
نے مسیح موعودؑ کے زمانہ کا نشان طاعون کو قرار دیا۔ اور انجیل بھی اسی کی تائید
کرتی ہے۔ آج سے پچیس سال پیشتر اللہ تعالےٰ نے براہین احمدیہ میں بھی طاعون کے
پھیلنے کی خبر دی تھی۔ چونکہ انکار حد سے زیادہ بڑھ گیا۔ اور اُس کے ساتھ ہی شرارت
اور ایذا رسانی بھی ہے۔ اور پھر مختلف قسم کے طعن کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ
تعالےٰ نے طاعون ہی کو سزا کے لئے بھیجا۔ اور یہ بات کہ مامور من اللہ کی تکذیب اور
ایذا رسانی پر عذاب کیوں نازل ہوتا ہے۔ ایسی صاف ہے۔ کہ تم اسکی مثال ایسی
سمجھ لو۔ جیسے سرکار کسی چپراسی کو لوگوں سے زمین کا لگان وصول کرنے کے لئے بھیجے

اور گو وہ چپراسی چھ سات روپیہ ماہواری تنخواہ لاتا ہے تاہم اگر کوئی شخص اُسے لگان ادا نہ کرے یا شرارت سے اُسے دکھ دے۔ تو گورنمنٹ سارے گاؤں کو صرف ایک آدمی کی ایذا رسانی اور نافرمانی کی خاطر سزا دینے کو تیار ہو جاتی ہے۔ خواہ اُس میں کیسے ہی معزز اور دولتمند زمیندار بھی ہوں۔ اسی طرح اگر خدا تعالےٰ کے فرستادوں کی بے عزتی اور نافرمانی کی جائے۔ تو الٰہی غیرت جوش میں آتی ہے اور اُس کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔ اور وہ شریروں کو سزا دینے کے لئے اپنے فرستادہ کی حمایت میں نشان ظاہر فرماتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ کوئی بڑی بات تو کہتے ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ہی عبادت کرو۔ مخلوق خدا سے نیکی کرو۔ نمازیں پڑھو۔ اور جو غلطیاں مذہب میں پڑ گئی ہوئی ہیں اُن کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ اس وقت جو میں آیا ہوں تو میں بھی اُن غلطیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں جو مسیح اعوج کے زمانہ میں پیدا ہو گئیں تھیں۔ اور سب سے بڑی غلطی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی عظمت اور جلال کو خاک میں ملا دیا گیا۔ اور حضرت نبی کریمؐ کی پاک سچی اور اعلےٰ تعلیم توحید کو مشکوک کر دیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عیسائی کہتے ہیں کہ یسوع زندہ ہے۔ اور تمہارے نبی کریمؐ وفات پا چکے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ دو ہزار سال سے آسمان پر زندہ موجود ہے۔ نہ زمانہ کا اُس پر اثر ہوتا ہے۔ اور نہ اُس کے جسم میں تغیر آتا ہے۔ دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس امر کو تسلیم کر لیا۔ کہ بیشک مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہے۔ اور دو ہزار سال سے اب تک بغیر تغیر و تبدل وہاں موجود ہے۔ اور آنحضرتؐ فی الحقیقت وفات پا کر مدینہ میں مدفون ہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ میرا دل کانپ جاتا ہے۔ جب میں مسلمان مولویوں کے منہ سے یہ الفاظ سنتا ہوں کہ حضرت نبی کریمؐ وفات پا گئے ہیں گو بازندہ نبی کو تو مُردہ رسول قرار دیتے ہیں۔ اور جو فی الحقیقت مر چکا ہے جس کی کتاب اور شریعت مر چکی ہے اُسے زندہ حی و قیوم قرار دیتے ہیں۔ اس سے بڑھکر اسلام کی بے حرمتی اور بے عزتی اور کیا ہو گی۔ لیکن فی الحقیقت یہ غلطی خود مسلمانوں کی ہے جنہوں نے تعلیم قرآنی کے صریح خلاف ایک نئی بات پیدا کر لی ہے۔ حالانکہ قرآن شریف میں مسیح کی وفات کا نہایت وضاحت سے جگہ بجگہ موجود ہے۔ چونکہ اس مسئلہ

ازالہ میرے لئے ہی رکھا گیا ہوا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے میرا ہی نام حکم رکھا ہے۔ اس لئے حکم ہی اس غلطی کو دور کر کے اصل حقیقت ظاہر کرنے کا حقدار ہو سکتا ہے۔ لیکن دنیا نے اُسے قبول نہ کیا۔ پر خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی کو ظاہر کر دیگا۔ اس قسم کی باتوں نے دنیا کو بہت بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے۔ کہ یہ سارا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ اور خدا تعالےٰ نے جس شخص کو حکم کر کے بھیجا ہے اس سے یہ باتیں مخفی نہیں رہ سکتیں۔ بھلا دائی سے پیٹ (حمل) چھپ سکتا ہے۔ قرآن شریف نے صاف طور پر فیصلہ فرما دیا ہے۔ کہ آخری خلیفہ مسیح موعود ہوگا اور وہ اس وقت آچکا ہے۔ اس لئے اگر اب بھی کوئی شخص اُن لکیروں کا فقیر بنا رہے گا جو فیج اعوج کے زمانہ کی ہیں۔ تو وہ نہ صرف خود نقصان اٹھائیگا۔ بلکہ اسلام کو بھی نقصان پہنچانے والا قرار دیا جائے گا۔ اور فی الحقیقت اس غلط اور بے بنیاد عقیدہ نے لاکھوں مسلمانوں کو اسلام سے مرتد بنا دیا ہے۔ مسیح کی زندگی کے اصول نے اسلام کی سخت ہتک کی ہے اور رسول اللہ کی توہین۔ کیونکہ جب یہ مان لیا۔ کہ مُردوں کو زندہ کرنے والا۔ آسمان پر زندہ چلا جانے والا۔ اور آخری انصاف کرنے والا یسوع مسیح ہی ہے تو پھر گویا ہمارے نبی کریمؐ تو کچھ بھی نہ ہوئے۔ حالانکہ آپؐ رحمتہ للعالمین ہیں۔ اور کافتہ الناس کے لئے رسول بن کر تشریف لائے ہیں خلق عظیم کے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ مسیح کے ہیں اور کچھ خدا تعالےٰ کے! نعوذ باللہ من ذالک۔ میں نے ایک بار ایک موحد سے سوال کیا۔ کہ اگر اس وقت دو جانور پیش کئے جائیں اور تم سے دریافت کیا جائے کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کونسا ہے۔ اور مسیح کا کون سا۔ تو اُس نے نہایت ڈھٹائی سے جواب دیا کہ بل جُل ہی گئے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۱) پھر وہ دین جو اللہ تعالےٰ کی توحید کا سرچشمہ تھا۔ اور جس کی حمایت اور آبیاری کے لئے زمین صحابہؓ کے پاک خون سے سُرخ ہو گئی تھی۔ اُسی کو ماننے کا دعوے کرنے والوں نے ایک عورت کے بچے کو عیسائیوں کی تابعداری کر کے خدائی صفات کا مورد بنا دیا اور اُن کے خدائی کے جھوٹے عقیدے کو تقویت دیدی۔ جب مسلمانوں کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو اللہ تعالےٰ نے اپنے دین کی غیرت اور اپنے جلال اظہار کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور اُس نے محض اپنے فضل سے اُس نبی ناصری کے نمونہ پر جسکو نادان مسلمانوں نے خدا کی صفات سے متصف

کرنا چاہا ہے) مجھے بھیجا۔ لیکن اُن لوگوں نے جو ضد اور تعصب سے خالی نہ تھے۔ بلکہ اُن کے دل ان تاریک بخارات سے سیاہ ہو چکے تھے۔ میری مخالفت کی اور اس مخالفت کو شرارت اور ایذا رسانی تک پہنچا دیا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے جو اپنے نیک بندوں کے لئے غیرت رکھتا ہے۔ میری حمایت کے لئے طاعون کو بھیجا۔ اور یہ اُس وقت ہوا جبکہ ہر طرح سے اُن پر حجت پوری ہو گئی۔ عقلی دلائل اُن کے سامنے پیش کئے گئے نصوص قرآنیہ وحدیثیہ سے اُن پر حجت پوری کیگئی اور آخر خدا تعالےٰ کے تائیدی نشانات بھی کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ اور ہر قسم کے نشانات اُن کو ملے لیکن اُن لوگوں نے اِن سب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور اُن پر ٹھٹھا کیا۔ اِس لئے آخری علاج طاعون رکھا گیا۔ اور یہ وہ نشان ہے۔ کہ جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے آج سے پچیس سال پیشتر براہین احمدیہ میں فرمایا تھا۔ اور پہلی کتابوں میں بھی اسے مسیح موعود کے زمانہ کا نشان قرار دیا تھا۔ اِس لئے اس سے وہی بچیں گے۔ جو خالص توحید اختیار کریں گے اور ایک عاجز انسان کو خدا نہ بنائیں گے۔ اور نہ اُسے خدائی صفات سے متصف گردانیں گے اور خدا تعالےٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی قدر کریں گے۔

سب سے پہلی بات جو یاد رکھنی چاہیئے۔ وہ وفات مسیح ہی کا مسئلہ ہے ہمارے مخالف لوگ بعض وقت دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وفات مسیح کی بحث کی ضرورت ہی کچھ نہیں۔ حالانکہ اصل جڑ یہی ہے۔ اسی مسئلہ سے عیسائیوں کی ساری کاروائی باطل اور رد ہو جاتی ہے۔ اور مسیح کی خدائی کی ایک ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے۔ اور رسول اللہ کی دنیا میں عظمت قائم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ برخلاف دیگر انبیاء کی وفات کے قرآن شریف نے مسیح کی وفات پر بہت زور دیا ہے۔ اور تین سے بھی زیادہ آیتوں میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ یٰعیسیٰ اِنِّی متوفیک اور فلما توفیتنی وغیرہ آیات میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ ذکر موجود ہے۔ لیکن ہمارے بیوقوف مخالف کہتے ہیں۔ کہ مسیح کی وفات نہیں ہوئی۔ بلکہ خدا نے اُسے آسمان پر اٹھا لیا۔ یہ ساری غلطیاں ہیں۔ جو کتاب اللہ کی تعلیم کے خلاف محض دین کی ہتک کروانے کی غرض سے لوگوں نے ازخود پیدا کر لی ہیں۔ خدا تعالےٰ نے ہرگز نہیں چاہتا

کہ اُسکی صفات ایک عاجز انسان کو دیجائیں۔ ایسے غلط اعتقادات رکھتے ہوئے یہ لوگ کس شیخی سے اسلام کا دعوے کرتے ہیں۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے کہ یہ اقرار کیا جائے۔ کہ کچھ مخلوق خدا نے پیدا کی ہے اور کچھ مسیح نے ہم میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ ایسے ایسے عقائد اسلام کیطرف منسوب کرکے ان لوگوں نے اسلام کی سخت ہتک اور حضرت نبی کریمؐ کی بڑی توہین اور اللہ تعالےٰ کی سخت مخالفت کی ہے۔ افسوس! کیا اسلام دنیا میں یہی برکت لے کر آیا تھا۔ اور کیا اسی کا نام اتمام نعمت تھا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اسلام وہ مصفّا اور خالص توحید لے کر آیا تھا۔ جس کا نمونہ اور نشان بھی دوسرے مذاہب اور ملتوں میں نہیں پایا جاتا۔ اور میرا تو یہاں تک ایمان ہے کہ اگرچہ سابقہ کتب میں بھی توحید بیان کی گئی ہے اور جملہ انبیاء کی بعثت کی غرض و غایت بھی توحید کی اشاعت تھی۔ لیکن جس طرز اور اسلوب پر حضرت نبی کریمؐ نے مبعوث ہو کر توحید خداوندی کے جملہ مراتب کو کھول کھول کر بیان فرمایا۔ ویسا کسی اور کتاب میں پتہ نہیں بتلایا۔ پھر جب ایسے مصفّا چشمہ کو ہمارے مخالفوں نے مکدّر کرنا چاہا ہے۔ تو بتلاؤ اسلام کی توہین میں کیا باقی رہگیا۔ اس پر ان کی بدقسمتی یہ ہے۔ کہ جب اُن کے سامنے وہ اسلام پیش کیا جاتا ہے جسے حضرت نبی کریمؐ لے کر آئے تھے۔ اور از روئے قرآن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ کہ تم غلطی پر ہو۔ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح مانتے چلے آئے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں۔ کہ کیا صرف اتنی بات کہدینے سے یہ لوگ اپنے آپ کو بری قرار دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ بموجب قرآن شریف و قول خداوندی اور سنت قدیمہ کے مطابق ایسا کہنے سے بھی اُن پر ایک حجت پوری ہوتی ہے۔ کیونکہ جب کبھی کوئی خدا کا مامور اور مرسل دنیا میں آتا رہا ہے۔ تو اُس کے مخالفین اُسکی تعلیم سُن کر کہتے چلے آئے ہیں۔ ما وجدنا فی ابائنا الاولین۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ تجدید کا قانون ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ کہ ایک ہفتہ کے بعد انسان کے پوشیدنی پارچات بھی میلے ہو جاتے ہیں۔ اور اُنکی دھلائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن کیا ایک صدی گذر جانے کے بعد بھی مجدد کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا کیونکہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاح خلق کے لئے آیا کرتا ہے۔ وجہ یہ کہ صدی کے درمیانی حصہ میں

دین میں بہت سی غلطیاں اور بدعات شامل کر لی جاتی ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ کبھی پسند نہیں کرتا کہ اُس کے پاک دین میں کوئی خرابی رہ جائے۔ اس لئے وہ ان کی اصلاح کے لئے مجدد بھیجدیا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت نبی کریمؐ کے بعد صحابہؓ خلفاء راشدین پھر تابعین پھر تبع تابعین کے زمانے کیسے مبارک زمانے تھے۔ جن کو رسول کریمؐ نے خیر القرون کے نام سے یاد فرمایا۔ بعد اس کے نیکی اور خیر میں کمی آنی اور غلطیاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ نہایت خطرناک غلطیاں بہت بڑھ گئیں اسلئے اِس زمانہ کو رسول کریمؐ نے فیج اعوج کا نام دیا جس میں جھوٹ کثرت سے پھیل گیا۔ اسی لئے آپ نے اس کے بارے میں فرمایا لیسوا منی ولست منھم۔ اب اس زمانہ کے بعد اللہ تعالےٰ نے چاہا ہے۔ کہ ان غلطیوں کو دور فرمادے۔ اور اسلام کا حقیقی چہرہ دنیا کو پھر سے دکھادے۔ اور شرک اور مُردہ انسان کی پرستش کو دور کر دے اور پھر آنحضرتؐ کا بروزی طور پر ظہور ہُوا۔ اور آپکی عظمت کو مسیح کے مقابلہ میں ظاہر کرنے کے لئے خدا کی غیرت نے چاہا کہ احمد کے غلام کو مسیح سے افضل قرار دیدے۔ اور اُسی کی تائید کے لئے سورج اور چاند کو ماہ رمضان کی مقرر تاریخ پر پیشگوئی کے موافق گرہن لگا۔ اور جب تک یہ امر واقعہ نہ ہُوا تھا ہمارے مخالف مولوی صاحبان اسے مہدی کی علامات کے طور پر ممبروں پر چڑھ کر بڑے زور وشور سے بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ اللہ تعالےٰ نے اس پیش گوئی کو پورا کر دیا۔ تو محض میری مخالفت کی وجہ سے خدا تعالےٰ کے اس جلیل القدر نشان کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اور حضرت نبی کریمؐ پر بعینہٖ اسی طرح پر یہودیوں کے بڑے بڑے مولوی اور فقیہہ اور فریسی کیا کرتے تھے۔ اور جب مسیح اُن میں آیا۔ تو انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ خوب یاد رکھو۔ کہ حق میں بھی ایک خوشبو ہوتی ہے۔ جو خود بخود پھیل جاتی ہے۔ اور خدا تعالےٰ اُسکی حمایت کرتا ہے۔ جب اللہ تعالےٰ نے مجھے مامور کیا۔ تو میں بالکل اکیلا تھا۔ اور مجھے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ لیکن اس وقت پچاس ہزار سے بھی زیادہ انسان میرے سلسلہ میں شامل ہیں۔ اور اطراف عالم میں میرے دعوے کا شور مچ گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اگر میرے ساتھ نہ ہوتا۔ تو اس کی تائید کس طرح میرے ساتھ ہو سکتی تھی۔ اور یہ سلسلہ کس طرح قائم رہ سکتا تھا اور پھر

یہی نہیں۔ کہ اس سلسلہ میں سب کو خوش کیا گیا تھا۔ بلکہ سب سے مخالفت اور سب کو ہی ناراض کر دیا گیا۔ عیسائی سب سے بڑھ کر ناراض ہیں اس کی وجہ یہ کہ جب انہیں سنایا گیا کہ میں صلیبی عقائد کو پاش پاش کرنے کے لئے آیا ہوں۔ اور انہیں دعوت دی گئی کہ تمہارا یسوع جسے تم نے خدا بنایا ہوا ہے۔ اور جس کی صلیبی موت پر جو تمہارے نزدیک لعنتی موت ہے تمہاری نجات منحصر ہے۔ وہ ایک عاجز انسان تھا۔ اور مر کر کشمیر میں مدفون ہے خبر عیسائی اگر ناراض تھے تو اور ہی کسی قوم سے صلح رہتی۔ لیکن نہیں آریوں کے ساتھ الگ مخالفت۔ جبکہ اُن کے مسائل نیوگ و تناسخ وغیرہ دیگر معتقدات کی ایسی تردید کی گئی کہ جس کا اُن سے کبھی جواب نہ بن پڑیگا۔ اور آخر کار اللہ تعالےٰ نے ایک بیّن نشان کے ذریعہ سے اُن پر اپنی حجت پوری کی۔ اس لئے اگر باہر والے ناراض تھے۔ تو مسلمان ہی خوش ہوتے۔ لیکن تم دیکھ لو کہ جب ان لوگوں کی بھی غلطیاں ان پر ظاہر کی گئیں اور اُن کے مشائخ پیرزادوں مولویوں اور دوسرے لوگوں کی بدعتوں اور مشرکانہ رسومات کا اظہار کیا گیا۔ اور اُن کے خانہ ساز عقائد کو کھولا گیا۔ تو یہ سب سے بڑھ کر دشمن ثابت ہوئے پھر ایسی بیرونی اور اندرونی مخالفت کی موجودگی میں اس سلسلہ کا ترقی کرنا اور دن بدن بڑھنا خدا کی تائید کے بغیر کبھی نہیں ہو سکتا۔ کیا انسانی منصوبوں سے یہ عظیم الشان سلسلہ چل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کی عادت میں یہ بات داخل ہے۔ کہ جب کوئی امر اُسکی عادت اور عقیدہ کے خلاف اُسے کہا جائے۔ تو وہ مخالف ہو جاتا اور ناراض ہوتا ہے۔ ایک ہندو کو اگر گنگا کے خلاف کچھ کہا جائے تو وہ دشمن بن جاتا ہے۔ لیکن یہاں تو ہم نے سب کے خلاف کہا۔ اس لئے وہ کیوں ناراض نہ ہوتے۔ اسپر اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو تباہ ہو جاتا اندرونی بیرونی اتنی سخت مخالفت کی موجودگی میں اس کا سرسبز ہوتے جانا اس کے خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔

پھر عام پیروں اور مشائخ کی طرح سے نہیں کہ نذر و نیاز سے ہی کام ہے۔ خواہ وہ چوری کی ہو۔ اور پھر اللہ تعالےٰ کے احکامات و سچی شریعت کے متعلق کچھ بھی نہیں بتلاتے۔ بلکہ بتلاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ وہ اس قدر جرأت نہیں کر سکتے کہ ایک چور مرید کو چوری سے منع کر سکیں یا سود خوار اور بدکار

مرید کو اُس کے عیبوں سے آگاہ کر سکیں۔ کیونکہ دنیا دار گدی نشینوں اور مہنتوں کا اس طرح پر گذارہ نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا ہی کے سلسلہ میں برکت ہے۔ کہ وہ دشمنوں کے درمیان پرورش پاتا اور بڑھتا ہے (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۲) ہمارے مخالفوں نے ہمارے خلاف بڑے بڑے منصوبے کئے خون تک کے مقدمات بنوائے لیکن اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو باتیں ہوتی ہیں۔ وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتیں۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ یہ سلسلہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اگر یہ انسانی ہاتھوں اور انسانی منصوبوں کا نتیجہ ہوتا۔ تو انسانی تدابیر اور انسانی مقابلے اور مخالفتیں اب تک اس کو نیست و نابود کر چکے ہوتے۔ انسانی مخالفتوں کی موجودگی میں اس کا بڑھنا اور ترقی کرنا ہی اس کے اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہونے کا بڑا بھاری ثبوت ہے۔ پس جس قدر تم اپنے قوت یقین کو بڑھاؤ گے۔ اُسی قدر تمہارا دل روشن ہوگا۔ قرآن شریف کو پڑھو۔ اللہ تعالےٰ سے کبھی ناامید مت ہو۔ مومن خدا تعالےٰ سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ کفار کی عادت میں داخل ہے۔ کہ وہ جلد اللہ تعالےٰ سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہمارا خدا علیٰ کلّ شیئٍ قدیر خدا ہے قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھو۔ اور اپنی نمازوں کو سنوار سنوار کر ادا کرو۔ اور اس کا مطلب بھی اچھی طرح سے سمجھ لو۔ نمازوں میں اپنی زبان میں بھی دعائیں کر لو۔ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو۔ بلکہ اُسے فی الواقع اللہ تعالےٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔ نماز کو اُسی طرح پڑھو جس طرح رسول کریم پڑھا کرتے تھے۔ البتہ اپنی حاجتوں اور مطالب کو مسنون اذکار کے بعد اپنی زبان میں بیشک ادا کرو۔ اور اللہ تعالےٰ سے ہر ایک دینی اور دنیاوی حاجت کو مانگو۔ اسمیں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے نماز ہرگز ضائع نہیں ہوتی۔ آجکل مسلمانوں نے نمازوں کو خراب کر رکھا ہے۔ نمازیں کیا پڑھتے ہیں ٹکریں مارتے ہیں۔ نمازیں تو بہت جلد جلد مرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر پڑھ لیتے ہیں۔ اور نمازوں کے بعد دعا کے لئے بہت بہت دیر تک بیٹھے رہتے ہیں حالانکہ نمازوں کا اصل مغز اور روح تو دعا ہی ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر دعا کرنے سے وہ اصل مطلب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر ایک شخص بادشاہ کے دربار میں جائے۔ اور اُسے دربار میں اپنا حال عرض کرنے کا موقع بھی ملے لیکن وہ بادشاہ کی حضوری میں تو کچھ عرض معروض نہ کرے۔ بلکہ جب دربار سے

باہر نکل جائے۔ تو اپنی حاجات پیش کرنے لگے۔ اس سے اُسے کیا فائدہ ہوگا۔ بعینہٖ یہی حال اُن لوگوں کا ہے۔ جو اپنی نمازوں میں خشوع اور خضوع کے ساتھ دعائیں نہیں مانگتے۔ بلکہ نمازوں کو جلدی ضائع کر کے اُن کے بعد گھنٹوں دعاؤں میں لگے رہتے ہیں اِس لئے خوب یاد رکھو۔ کہ تم کو جو دعائیں کرنی ہوں۔ وہ نمازوں کے اندر کر لیا کرو۔ اور آداب الدعا کو پورے طور پر ملحوظ خاطر رکھو۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف کے شروع ہی میں دعا رکھائی ہے اور اُس کے ساتھ ہی دعا کے آداب بھی بتا دئے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کا نمازوں میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ سورۃ ساری کی ساری دعا ہی ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اصل دعا نماز ہی میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس دعا کو اللہ تعالےٰ نے یوں سکھلایا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم الخ یعنی دُعا سے پہلے یہ ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے۔ جس سے اللہ تعالےٰ کے لئے روح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو۔ اس لئے فرمایا الحمد للہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں رب العالمین سب کو پیدا کرنیوالا اور پالنے والا الرحمٰن جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے الرحیم پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ ملک یوم الدین بادشاہ اُسی کے ہاتھ میں ہے نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالےٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ انسان پورا اور کامل موحد تب ہی ہوتا ہے۔ جبکہ وہ اللہ تعالےٰ کو مالک یوم الدین تسلیم کرتا ہے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ حکام کے سامنے جا کر انہیں اپنی نیکی بدی سب کا مالک سمجھنا گناہ ہے اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ محض اِس لحاظ سے کہ اللہ تعالےٰ نے اُنہیں حاکم بنایا ہے۔ دنیاوی امور میں اُن کی اطاعت ضروری ہے۔ لیکن اُن کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔ انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالےٰ کا حق خدا تعالےٰ کو دو۔ اِسکے بعد یہ کہو۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اھدنا الصراط المستقیم ہم کو سیدھی راہ دکھا صراط الذین انعمت علیھم یعنی اُن لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کئے۔ اور وہ نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے اس دعا میں اِن تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو مانگا گیا ہے۔ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اُن لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور جو گمراہ ہوئے غرض

یہ مختصر طور پر سورہ فاتحہ کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح پر سمجھ سمجھ کر ساری نماز کا ترجمہ پڑھ لو۔ اور اس کے مطالب کو سمجھ کر نمازیں ادا کرو۔ مختلف قسم کے حروف اٹ لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یقیناً سمجھ لو۔ کہ جب تک ایک شخص نماز کو طوطے کی طرح اٹ کر پڑھتا رہتا ہے۔ اُس میں سچی توحید آ ہی نہیں سکتی۔ اور نہ اُس کی روح پر اُس کا اثر پڑ سکتا ہے۔ اور نہ اُسے وہ ٹھوکر لگتی ہے جو اُسے کمال کے درجہ تک پہنچا دے۔ اپنا عقیدہ بھی یہی رکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی ثانی اور ندّ نہیں ہے۔ اور اس عقیدہ کا ثبوت اپنے عمل سے بھی دکھا دو۔ ہر ایک امر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو زبردست گواہیاں ہوتی ہیں۔ اول گواہی اُس کی کتاب کی ہوتی ہے۔ جس کا نام قرآن شریف ہے۔ اسلئے قرآن شریف میں جو کچھ لکھا ہے۔ وہ سب صحیح اور سچ ہے۔ اور ہم اُس پر ایمان لانے اور پکا یقین رکھتے ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس تم بھی اُسے اسی طرح سے مانو۔ دوسری گواہی اللہ تعالےٰ کے فعل کی ہے۔ جس کی سچائی کو زمین و آسمان اپنی شہادتوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس سلسلہ کو جو قائم کیا ہے اور مجھے پیدا کیا ہے۔ تو اس میں بھی ان ہر دو شہادتوں کو ساتھ رکھا ہے۔ اوّل حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا ذکر بڑی صفائی کے ساتھ قرآن شریف میں کیا اور قریباً تیس آیات میں کھلے طور پر اُسکی وفات بیان کر دی۔ دوم قرآن شریف نے یہ تعلیم دی کہ حقیقی مُردے کبھی واپس نہیں آ سکتے۔ سوم حضرت رسول کریمؐ کو مثیل موسےٰ ٹھہرا کر یہ تعلیم دی کہ جس طرح سلسلہ موسوی میں رسول آتے رہے محمدی سلسلہ میں بھی اس کا نمونہ اور نظیر ہوگی۔ گویا اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کے نام پر مسیح کے نام سے آئیگا۔ چنانچہ ان وعدوں کے موافق جب اللہ تعالےٰ نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا۔ تو میری تائید میں زمین و آسمان نے بھی اپنی شہادت کو ادا کر دیا۔ یعنی زمین کی حالت خود ایسی ہو گئی کہ وہ پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔ کہ خدا کا کوئی مامور اور مصلح اس وقت آئے۔ وہ ہر قسم کے فسادات سے لبریز ہو گئی تھی۔ اسلام پر خطرناک حملے شروع ہو چکے تھے۔ آسمان نے اپنے نشانوں سے میری شہادت دی چنانچہ جس طرح پر پہلے کہا گیا تھا۔ اُسی طرح اپنے وقت پر کسوف و خسوف ہو گیا۔ زمین کے دوسرے نشانات میں سے طاعون بھی ایک بڑا نشان ہے۔ غرض جو کچھ انسانوں کی نسلی کے لئے نشانات ضروری تھے۔ وہ اللہ تعالےٰ نے پورے کر دیئے

اگر کسی شخص کو اُن کی خبر نہیں تو اُسے چاہیئے کہ وہ اُن تمام کتابوں کو جو ہم نے لکھی ہیں خود پڑھے یا کسی سے سُنے۔ تب اُسے معلوم ہوگا۔ کہ کس طرح اللہ تعالےٰ نے اپنے نشانات کو عین وقت پر پورا کیا ہے۔ بغیر علم کے انسان اندھا ہوتا ہے۔ اور جہالت ایک موت ہے۔ پس اس نابینائی اور جہالت کی موت سے بچنا چاہیئے۔ خدا تعالےٰ کے نشانات سمندر کی طرح بہ رہے ہیں۔ اُن میں سے ایک زبردست اور کھُلا کھُلا نشان طاعون کا ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے طعنہ کرنے والوں اور سفیہوں کے لئے رکھا ہُوا تھا۔ وہ بھی پورا ہو گیا۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس وقت لوگوں کے اعمالِ بد اور شوخیوں اور شرارتوں کی وجہ سے غضب میں ہے۔ کیونکہ اُس کی باتوں پر ہنسی کی گئی ہے۔ اور اُس کے نشانات کو ذلیل قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اب اُس کے قہر کے دن آگئے ہیں۔ اب دیکھو گے کہ وہ کیا کرے گا۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اُس کا یہ الہام پورا ہو دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس لئے اب ایسا وقت ہے کہ ہر ایک کو ڈرنا چاہیئے کیونکہ وہ بے نیاز ہے۔ موت کو اچھی طرح یاد رکھو کیونکہ یہ دن خدا کے غضب کے ہیں۔ نمازوں پر پکے ہو جاؤ۔ تہجد پڑھو اور اپنی عورتوں کو بھی نمازوں کی ادائیگی کی تاکید کرتے رہو۔ غرض یہ طاعون اللہ تعالےٰ کا قہر ہے۔ اس لئے عقلمند وہی ہے جو ہوا کا رُخ پہچان لے۔ اور خدا کی باتوں پر صدق دل سے ایمان لے آئے۔ یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ جو اس وقت عذاب نازل کر رہا ہے وہ ایک خاص کام کے لئے نازل کر رہا ہے۔ اگر مولویوں۔ صوفیوں۔ یا سجادہ نشینوں سے ہمارے سلسلہ کے بارے میں بات کرو۔ تو وہ پہلے ہی گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ اب دیکھ لو کہ اللہ تعالےٰ کا صبر کتنا بڑا ہے۔ کہ ہزار برس سے اوپر زمانہ گذر چکا ہے جب سے اللہ تعالےٰ کے پاک انبیاء راست بازوں اور برگزیدوں کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ اور اُن کی بے حرمتی اور ذلت کے لئے ہر قسم کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اُن سب انبیاء اور خصوصاً ہمارے نبی کریم کی عزت و عظمت کو قائم کرنے کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا اور جب سے یہ قائم ہوا ہے۔ تبھی سے اسکے ساتھ بھی مخالفین نے وہی سلوک کیا جو پہلے راستبازوں

کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں۔ اس لئے آخر کار اللہ تعالےٰ نے اِن حد سے بڑھے ہوئے بیباکوں اور شوخ چشموں کا علاج کرنا چاہا۔ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ بڑا حلیم ہے۔ لیکن اسمیں بھی کلام نہیں کہ جب وہ پکڑتا ہے تو اُس کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔ کیا سچ کہا ہے ؎ ہاں مشو مغرور بر حلم خدا۔ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا۔

دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں ایک تو وہ سعید الفطرت۔ جو نیک بات کو پہلے ہی مان لیتے ہیں ایسے لوگ بڑے دور اندیش اور باریک بین ہوتے ہیں۔ جسطرح سے حضرت ابوبکرؓ تھے۔ دوسری قسم کے لوگ بیوقوف ہوتے ہیں۔ اور جب اُن کے سر پر آپڑتی ہے تب وہ کچھ چونکتے ہیں۔ اِس لئے میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ تم لوگ اِس سے پہلے کہ خدا کا غضب نازل ہو جائے۔ اُس سے دعا کرو۔ اور اپنے آپ کو اُس کی پناہ اور حفاظت میں دیدو۔ یاد رکھو۔ دعا اُس وقت قبول ہوتی ہے۔ جبکہ دل میں درد اور رقت پیدا ہو۔ اس سے مصائب اور غضب آلہی دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب بلا سر پر آپڑے۔ تو گو اسمیں شک نہیں کہ اُس وقت بھی دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو۔ کہ اگر مصیبت کے دورے سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کر لوگے اور خدا تعالےٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لئے گریہ و بکا کرو گے تو تمہارا خاندان اور تمہارے بال بچے طاعون کے عذاب سے بچا لئے جائیں گے۔ اور اگر میرے ہاتھ پر توبہ کر کے پھر بھی دنیا داروں کی طرح رہو گے۔ تو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے۔ تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔ بیعت اگر دل سے نہیں تو اُس کا کچھ بھی نتیجہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ میری بیعت سے دل کا قرار چاہتا ہے نہ زبان کا۔ پس جو شخص مجھے سچے دل سے قبول کر کے اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالےٰ غفور الرحیم ہے۔ اُسکے تمام گناہوں کو ضرور بالضرور بخشدیتا ہے۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسا ماں کے پیٹ سے بیگناہ پیدا ہوتا ہے۔ اور تب فرشتے اُسکی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر کسی گاؤں میں ایک بھی ایسا نیک بندہ ہو تو اللہ تعالےٰ اُس ایک نیک بندے کی خاطر اور رعایت سے اُس سارے گاؤں کو تباہی اور بربادی سے محفوظ کر لیتا ہے۔ لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ خدا اپنے

نیک بندوں کو کسی نہ کسی طریق سے بربادی سے بچا ہی لیتا ہے سنت اللہ یہی ہے کہ ایک نیک بندے کی خاطر دوسرے لوگ بھی بچا لئے جاتے ہیں۔ جس طرح سے حضرت ابراہیمؑ کے ذکر میں ہے کہ جب حضرت لوطؑ کی قوم تباہ ہونے لگی تو انہوں نے دعا کی کہ اگر سو میں سے ایک بھی نیک ہو تو کیا تو انہیں تباہ کر دیگا۔ جواب ملا۔ کہ نہیں اگر ایک بھی نیک ہوگا۔ تو ہلاک نہ کرونگا۔ لیکن جب بالکل حد ہی ہو جاتی ہے تو پھر لا یخاف عقبٰھا خدا کی شان ہوتی ہے۔ پلیدوں کو عذاب ملنے پر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا۔ کہ اُنکی بیوی بچوں کا کیا حال ہوگا۔ اور صادقوں اور راست بازوں کے لئے کان ابو ھما صالحا کی رعایت کرتا ہے۔ حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کو حکم دیا۔ کہ ان بچوں کی دیوار بنا دو۔ کیونکہ اُن کا باپ صالح اور نیک تھا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کے باپ کی نیکی کی اتنی قدر کی۔ کہ پیغمبروں کو اُس کی اولاد کا معمار و مزدور بنا دیا۔ غرض اللہ تعالےٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ لیکن جو لوگ زیادتی اور شرارتیں کرتے رہتے ہیں آخر کار اُن کو بہت بُری طرح سے پکڑتا ہے۔ اور وہ ایسا غیور ہے کہ اُس کے غضب کو دیکھکر کلیجہ پھٹتا ہے۔ دیکھ لو کہ حضرت لوطؑ کی بستی کو کس طرح سے تباہ کر ڈالا۔ اس وقت بھی دنیا کی حالت ایسی ہی ہو رہی ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے غضب کو کھینچ رہی ہے۔ تم لوگ بہت اچھے وقت پر آ گئے ہو۔ اس لئے تمہارے لئے یہ بہتر اور مناسب ہے۔ کہ تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو۔ اپنے اعمال میں اگر کوئی شریعت کے خلاف دیکھو۔ تو اُسے فوراً دور کر دو۔ اور ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے اور نہ خالق کا۔ یاد رکھو جو شخص مخلوق کا حق دباتا ہے۔ اُسکی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ ظالم ہے (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۲) اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود دنیا سے بالکل الگ ہو اور تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ۔ جو کچھ تم پہلے تھے۔ وہ نہ رہو یہ مت سمجھو۔ کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے تم لوگ محتاج ہو جاؤ گے۔ یا تمہارے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ ہرگز نہیں بلکہ خوب یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ کا دامن پکڑنے والا ہرگز کسی انسان کا محتاج نہیں ہو سکتا۔ اور اُس پر کبھی بُرے دن نہیں آ سکتے۔ جس شخص کا اللہ تعالےٰ دوست اور مددگار ہو۔ اگر ساری دنیا بھی اُسکی دشمن بن جائے۔ تو اُس کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ مومن اگر مشکلات میں

بھی کبھی پڑ جائے۔ تو اُسے ہرگز تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسی حالت اُس کے لئے بہشت کی سی حالت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے والدہ کی طرح اُسے اپنی گود میں لئے رہتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ نیک آدمیوں کا اللہ تعالےٰ خود محافظ و ناصر ہو جاتا ہے۔ وہ خدا جو علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ عالم الغیب اور حی و قیوم خدا ہے۔ اس کا دامن پکڑ لینے سے کیا کوئی شخص تکلیف پا سکتا ہے؟ ہرگز کبھی نہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو ایسی مشکلات کی حالت سے ایسی طرح بچا لیتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ آگ میں پڑ کر حضرت ابراہیمؑ کا زندہ نکل آنا کیا دنیا کے لئے حیرت انگیز امر نہ تھا۔ کیا حضرت نوحؑ اور آپ کے رفقا کا خطرناک طوفان سے سلامت بچ رہنا کوئی چھوٹی سی بات تھی۔ غرض اس قسم کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ اور خود ہمارے زمانے میں اللہ تعالےٰ نے اپنی دستِ قدرت کے عجیب عجیب کرشمے دکھائے ہیں دیکھلو مجھ پر خون اور اقدام قتل کا مقدمہ بنایا گیا۔ ایک بڑا مشہور ڈاکٹر پادری اس میں مدعی تھا جس کی حمایت پر آریہ اور ہمارے بعض مخالف مسلمان مولوی بھی تھے نتیجہ اُس کا وہی ہوا۔ جو اللہ تعالےٰ نے اپنے الہام ابرأ دیلے قصور ٹھہرا) میں مجھ پر ظاہر فرمایا تھا۔

پس یہ وقت ہے۔ کہ تم سچے دل سے توبہ کرو۔ اور اپنے دلوں کو پاک صاف کر لو۔ ابھی طاعون تمہارے گاؤں میں نہیں پہنچی۔ یہ خدا تعالےٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس لئے ابھی توبہ کا وقت ہے۔ لیکن جب مصیبت سر پر آ پڑی تو اُس وقت توبہ کیا فائدہ دیگی۔ جموں۔ سیالکوٹ اور لودہیانہ وغیرہ اضلاع میں جا کر دیکھو کہ کیا حال ہو رہا ہے ایک طوفان بپا ہے۔ اور قیامت کا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ اس قدر تعداد میں اموات ہو رہی ہیں۔ کہ سنگدل سے سنگدل انسان اس نظارہ کو دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتا۔ چھوٹا سا بچہ پاس پڑا ہوا تڑپ اور بلبلا رہا ہے۔ جس کے قریب اس کے ماں باپ مر رہے ہیں۔ جن کا کوئی بھی خبر گیراں نہیں۔ عرصہ دراز کا ذکر ہے۔ کہ میں نے ایک رویا دیکھی تھی کہ ایک بڑا وسیع میدان ہے۔ جس میں ایک بڑی نالی کھودی ہوئی ہے جس کے کنارہ پر قصاب لوگ بھیڑیں لٹائے ہاتھ میں چھریاں لئے بیٹھے آسمان کی طرف منہ کئے ہوئے حکم کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں اُن کے پاس ٹہل رہا ہوں

اتنے میں میں نے پڑھا قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعائکم یہ سنتے ہی انہوں نے سب بھیڑوں کے گلے پر چھری پھیر دی۔ بھیڑیں تڑپتی ہیں اور قصاب انہیں کہتے ہیں کہ تم ہو کیا گوہ (گندگی) کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ وہ نظارہ اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اُسے صادق مومن کے سوا کسی دوسرے مومن کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہوتی۔ اس کے پکے مومن بنو۔ اور عذاب کے نزول سے پہلے دعاؤں میں لگ جاؤ۔ کیونکہ بعد از وقت دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالےٰ نے مہلت دی ہے۔ اس وقت اُسے راضی کرنا چاہیئے۔ لیکن جب اپنے بداعمال سیہ کاریوں اور گناہ سے اُسے ناراض کر لیا اور اس کا غضب اور غصّہ بھڑک اُٹھا۔ اس وقت عذاب الٰہی کو دیکھ کر توبہ استغفار کرنے سے کیا فائدہ۔ سزا کا فتویٰ لگ چکنے کے بعد توبہ کرنا فضول ہے۔ اس کی مثال بعینہٖ اس طرح کی ہے کہ جیسا کوئی شاہزادہ بھیس بدل کر اپنے گھر سے نکلے اور کسی دولت مند کے گھر جا کر روٹی اور کپڑا طلب کرے اور وہ شخص باوجود مقدرت رکھنے کے اس کے ساتھ تمسخر کرے اور ٹھٹھا مار کر اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اسی طرح وہ سارے امرا کے گھروں میں پھرے اور سب جگہ سے بلا نیل و مرام واپس آئے لیکن ایک امیر اس کی خاطر تواضع کرے اور اُسے چارپائی پر بٹھا کر پانی کی بجائے شربت اور خشک روٹی کی بجائے پلاؤ اور پھٹے کپڑوں کی بجائے اُسے اپنی پوشاک دیدے۔ تو آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ وہ شاہزادہ جو دراصل ملک کا بادشاہ تھا ایسے امیروں سے کیا سلوک کرے گا۔ ظاہر ہے کہ جن لوگوں نے باوجود مقدرت کے اُسے دھتکار دیا۔ اُن کی بدسلوکی کی سزا دے گا۔ اور جس شخص نے اپنی مقدرت سے بڑھ کر اس کی تواضع کی اس سے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا سلوک کرے گا۔ جو اس شخص کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکے۔

اسی طرح ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالےٰ فرمائے گا کہ میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ دیا۔ میں ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ دیا۔ میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ وہ لوگ کہیں گے یا رب العالمین کب؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ فلاں میرا حاجتمند بندہ تمہارے پاس آیا تھا اس کو دینا ایسا ہی تھا جیسا کہ مجھے دینا۔ اسی طرح سے ایک شخص سے فرمائے گا کہ تو نے مجھے روٹی دی۔ کپڑا دیا۔ وہ کہے گا۔

کہ تو تو رب العالمین ہے۔ تو کب میرے پاس گیا تھا کہ میں نے تجھے دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ میرے فلاں بندے کو تو نے حاجت کے وقت دیا تھا۔ غرض نیکی وہی ہے جو قبل از وقت نزول عذاب کی جائے اگر بعد نزول عذاب کی جائے تو کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ وہ نیکی قبول نہیں کرتا جو صرف فطرت کے جوش سے کی جائے۔ جب کشتی ڈوبنے لگتی تو سب لوگ روتے اور دعائیں مانگتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس وقت کا رونا اور چلانا تقاضائے فطرت کا نتیجہ ہے۔ اس لئے وہ اس وقت سود مند نہیں ہو سکتا ہمیشہ رونا اور چلانا اور خدا کے حضور گڑگڑانا ہی مفید ہو سکتا ہے جو امن کی حالت میں ہو۔ یقیناً سمجھو کہ اللہ تعالےٰ کو پانے کا یہی گر ہے جو شخص قبل از وقت ہوشیار اور چوکنا رہتا ہے۔ ایسا کہ گویا اس میں بجلی گرنے والی ہے۔ ایسے شخص پر بجلی ہرگز نہیں گرتی۔ لیکن جو شخص بجلی کو گرتے دیکھ کر چلانا شروع کر دیتا ہے اس پر وہ ضرور گرے گی اور اُسے خاک سیاہ کر دے گی۔ کیونکہ وہ بجلی سے ڈرا ہے نہ کہ خدا سے اسی طرح پر جب طاعون گھر میں آگئی تو اس وقت جو توبہ و استغفار کرنی شروع کی وہ تو طاعون کا خوف و ڈر ہے نہ کہ خدا کا۔ اس کا بت طاعون ہے نہ کہ خدا اس کا معبود ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے فرشتے متعین کر دیتا ہے جو اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں۔ اور اسے نقصان نہیں پہنچنے دیتے۔ یہ مت سمجھو کہ طاعون گرمیوں میں دور ہو جاتی ہے۔ سردیوں میں یہ بلا پھر آموجود ہے۔ بعض اوقات اس کا دورہ ستر ستر سال تک ہوتا ہے یہود پر بھی اسی کا عذاب آیا تھا۔ غیر المغضوب علیھم میں اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے کہ ان یہودیوں کی راہ سے بچا جن پر طاعون پڑی تھی۔

پس اگر تم لوگ قبل از نزول بلا عاجزی کرو گے تو ہماری دعائیں بھی تمہارے لئے نیک نتائج پیدا کریں گی۔ لیکن اگر تم غافل ہو گئے تو ہماری دعاؤں کا کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کو ہر وقت یاد رکھو اور اموات کو سامنے موجود سمجھو۔ زمیندار لوگ بڑے نادان ہوتے ہیں اگر ایک رات بھی ان کی امن سے گذر جائے تو وہ بے خوف و نڈر ہو جاتے ہیں۔ دیکھو تم لوگ کچھ محنت کر کے کھیت تیار کرتے ہو جس پر تمہیں کچھ فائدہ کی اُمید ہوتی ہے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ امن کے دن محنت کر لینے کے دن ہیں۔ اگر ان ایام

میں خدا کو یاد کرو گے تو اس کا عمدہ نتیجہ حاصل کرو گے۔ اگرچہ میں چاہتا ہوں۔ کہ زمینداری اور دنیا کے کاموں کے مقابلہ میں روزانہ نمازوں میں حاضر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اور تہجد کے لئے تو اور بھی دشواری ہے۔ لیکن اب اگر اپنے آپ کو اس بات کا عادی کر لوگے تو پھر کوئی تکلیف اور دقت نمازوں اور تہجد کی ادائیگی میں محسوس نہ کرو گے۔ اپنی روزانہ دعاؤں میں طاعون سے محفوظ رہنے کی دعا بھی شامل کر لو۔ اگر دعائیں کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ جو کریم و رحیم ہے وہ اپنا رحم و احسان کرے گا۔ دیکھو اب جو دنیاوی کام تم کیا کرتے ہو۔ اس میں اپنی جانوں اور اپنے کنبہ کی حفاظت و مفاد تمہارے مدنظر ہوتے ہیں۔ اس طرح ان کی حفاظت و مفاد کی خاطر اپنی نمازوں میں بھی اُن کے لئے دعائیں کیا کرو۔ رکوع میں بھی دعا کرو اور سجود میں بھی دعا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو پھیر دے اور تم سب کو عذاب سے محفوظ رکھے۔ خوب یاد رکھو کہ جو شخص دعا کرتا ہے وہ محروم نہیں رہتا۔ یہ کبھی ممکن نہیں کہ دعائیں کرنے والا غافل پلید انسان کی طرح مارا جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو خدا کبھی پہچانا ہی نہ جائے اس لئے وہ اپنے صادق بندوں اور ان کے غیروں میں ضرور امتیاز رکھ دیتا ہے۔ پلید انسان پکڑا جاتا ہے لیکن ایک صادق بچا لیا جاتا ہے۔ غرض تم ایسا ہی کرو جیسا کہ میں نے تمہیں کہا ہے کہ پورے طور پر تم میں سچا اخلاص پیدا ہو جائے (الحکم جلد ۶ ۲۴)

۹۔ اپریل ۱۹۰۲ء انبیاء اور دعا کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ انبیاءؑ کے سلسلوں میں یہی سنت اللہ رہی ہے کہ وہ کسی امر کے بارے میں پیشگوئی دیئے جانے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سچا ایمان رکھنے کے باوجود بھی دعاؤں کے سلسلہ کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غنا ذاتی پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ اور مانتے تھے کہ اس کی شان لایدرک ہے اور یہ سوء ادبی ہے کہ اس سے دعا نہ کی جائے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب بدر کی لڑائی کے موقعہ پر حضرت نبی کریم صلعم بڑے اضطراب سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے عرض کی۔ کہ حضور اب دعا کی کیا حاجت ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے یقینی فتح کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے حضرت نبی کریم صلعم دعاؤں میں مصروف رہے۔ بعض لوگوں نے اس بارہ میں لکھا ہے

کہ حضرت ابوبکرؓ کی معرفت حضرت نبی کریمؐ سے کم درجہ پر تھی اس لئے آپ اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ کیونکہ مشہور ہے کہ ؎ ہر کہ عارف تر باشد خائف تر باشد۔ آپؐ کی معرفت آپ کو اللہ تعالیٰ کے غنا ء ذاتی سے ڈراتی تھی۔ پس دعا کے سلسلہ کو ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔

۱۰ر اپریل ۱۹۰۲ء صبح کی سیر میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ میں آج کل قادیان کے طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے بہت دعائیں کیا کرتا ہوں۔ اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے فرمائے ہیں تاہم یہ سوء ادب اور انبیاء کے طریق سے دور ہے کہ خدا کی لایدرک شان اور غناء ذاتی سے خوف نہ کیا جائے۔ آج پہلے وقت ہی یہ الہام ہوا ؎ دلم مے بلرزد چو یاد آورم۔ مناجات شوریدہ اندرحرم۔ شوریدہ سے مراد دعا کرنے والا ہے۔ اور حرم سے مراد وہ جس پر خدا تعالیٰ نے تباہی کو حرام کر دیا ہو۔ اور دلم مے بلرزد خدا کی طرف ہے یعنی یہ دعائیں قوی اثر ہیں۔ میں انہیں جلدی قبول کرتا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا نشان ہے۔ دلم مے بلرزد بظاہر ایک غیر محل سا محاورہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ اسی کے مشابہ ہے جو بخاری میں ہے کہ مومن کی جان نکالنے میں مجھے تردد ہوتا ہے۔ اسی طرح توریت میں جو پچتانا وغیرہ الفاظ خدا کے بارے میں آئے ہیں دراصل وہ اسی قسم کے محاورے ہیں جو سلسلہ انبیاءؑ کی ناواقفی کی وجہ سے لوگوں نے نہیں سمجھے۔ اس الہام میں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت اور رحمت کا اظہار ہے۔ اور حرم کے لفظ میں گویا حفاظت کی طرف اشارہ ہے یاد آورم اسی طرح ہے جیسے اذکرنی اذکرکم۔

من یقرض اللہ قرضاً کے بارہ میں فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ جو قرض مانگتا ہے۔ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو حاجت ہے اور وہ کسی چیز کا محتاج ہے۔ ہمارے نزدیک ایسا وہم کرنا بھی کفر ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس کی خوشنودی کے لئے خرچ کرے اُسے جزا کے ساتھ واپس کرے۔ یہ ایک طریق ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرنا چاہتا ہے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے کہ رایت ربی علی صورۃ ابی یعنی

میں نے اپنے رب کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ اسی طرح خود میں نے بھی اللہ تعالیٰ کو اپنے والد صاحب کی شکل پر دیکھا تھا۔ اُن کی شکل بڑی بارعب تھی۔ اور انہوں نے اپنی خاندانی ریاست کا زمانہ دیکھا ہوا تھا اس لئے بڑے بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھے۔ میں نے اُن کو دیکھا کہ وہ ایک عظیم الشان تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ خدا تعالیٰ ہے۔ اس میں سرّ یہ ہوتا ہے۔ کہ باپ چونکہ شفقت اور رحمت میں بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اور قرب اور تعلق شدید رکھتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا باپ کی شکل میں نظر آنا اس کے غایت تعلق اور شدت محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ کذکرکم اٰبائکم۔ اور میرے الہامات میں یہ بھی ہے۔ انت منی بمنزلۃ اولادی۔ یہ قرآن شریف کی اسی آیت کے مفہوم اور مصداق کے مطابق ہے۔

۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء کو الہام ہوا۔ "افسوس صد افسوس" اور ۱۱ اپریل ۱۹۰۲ء کو الہام ہوا۔ "رہگرائے عالم جاودانی شد"

ہمارا اصل منشا اور مدعا آنحضرت صلعم کا جلال ظاہر کرنا اور آپؐ کی عظمت کو قائم کرنا ہے۔ ہمارا ذکر تو ضمنی ہے اس لئے کہ آنحضرتؐ میں جذب اور افاضہ کی قوت ہے۔ اور اسی افاضہ میں ہمارا ذکر ہے۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷)

۱۷ اپریل ۱۹۰۲ء بعد از نماز مغرب ۔ طاعون کے متعلق اعتراضات کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ طاعون کے متعلق بعض لوگ اعتراضات کرتے ہیں۔ کہ اس سے اکثر غریب مرتے ہیں اور امراء اور ہمارے بڑے بڑے مخالف ابھی تک بچے ہوئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سنت الٰہیہ یہی ہے کہ ائمۃ الکفر آخیر میں پکڑے جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے وقت میں بھی جتنے عذاب شروع شروع میں آئے ان سب سے فرعون بچا رہا۔ لیکن آخر کار سب سے بعد وہ بھی تباہ کر دیا گیا۔ قرآن شریف میں آیا ہے۔ کہ نأتی الارض ننقصھا من اطرافھا۔ یعنی ابتدا عوام سے ہوتی ہے اور پھر خواص بھی پکڑے جاتے ہیں۔ بعض مخالفین کے بچا لینے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی ہوتی ہے کہ انجام کار انہیں توبہ کی توفیق

مل جاتی ہے یا ان کی اولاد میں سے کسی نے اسلام قبول کرنا ہوتا ہے۔"

انبیاء کے کمالات کے تذکرہ میں فرمایا کہ:۔ "کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے وہ سب کے سب حضرت رسول کریمؐ میں ان سب سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریمؐ سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے اور اسی لئے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ، عیسےٰ وغیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم ہمارا نام اس واسطے ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ایسے مقام میں پیدا ہوئے تھے کہ وہ بت خانہ تھا اور لوگ بت پرست تھے۔ یہاں بھی لوگوں کا اب یہی حال ہے کہ قسم قسم کے بدخیالات اور وہمی بتوں کی پرستش میں مصروف ہیں اور وحدانیت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ پہلے تمام انبیاء ظل تھے۔ حضرت نبی کریمؐ کی خاص خاص صفات کے اور اب ہم ان تمام صفات میں حضرت نبی کریمؐ کے ظل ہیں۔ مولانا روم نے خوب فرمایا ؎ نام احمدؐ نام جملہ انبیاء است۔ چوں بیاید صد نود ہم پیش ما است نبی کریمؐ نے گویا سب لوگوں سے چندہ وصول کیا اور وہ لوگ تو اپنے اپنے مقامات اور حالات پر رہے لیکن حضرت نبی کریمؐ کے پاس کروڑوں روپے ہو گئے۔ اور آپؐ سب سے بڑھ کر دولتمند ہو گئے۔"

ہندوؤں کے بارے میں فرمایا کہ:۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اس عالمگیر طوفان وبا میں یہ ہندوؤں کی قوم بھی اسلام کی طرف توجہ کرے گی۔ چنانچہ جب ہم نے باہر مکان بنوانے کی تجویز کی تھی تو ایک ہندو نے ہم کو آکر کہا تھا۔ کہ ہم تو اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر آپ ہی کے پاس باہر رہا کریں گے۔ اسی طرح دو دفعہ ہم نے رویا میں دیکھا۔ کہ بہت سے ہندو ہمارے سامنے سجدہ کرنے کی طرح جھکتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اوتار ہیں اور کرشن ہیں اور پھر ہمارے سامنے نذریں رکھتے ہیں۔ پھر ایک دفعہ الہام ہوا۔ ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما وتیری استتی گیتا میں موجود ہے۔ نفظ رودر کے معنے نذیر اور گوپال کے معنے بشیر کے ہیں۔"

مسیح کے معجزات کے بارے میں فرمایا کہ:۔ عیسائیوں نے جو شور مچایا تھا کہ عیسےٰ مردوں کو زندہ کیا کرتا تھا اور اس لئے غیرت الٰہی نے جوش مارا کہ دنیا میں طاعون پھیلائے اور ہمارے مقام کو بچائے۔ تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ اُمت

محمدی کی کیسی اعلیٰ شان ہے کہ احمد کے ایک غلام کی اس قدر عزت ہے۔ اگر عیسےٰ مردوں کو زندہ کیا کرتا تھا۔ اور خدا تھا تو اب عیسائیوں کے مقامات کو اس بلا سے بچا کر دکھایئے۔ اس وقت غیرت الٰہی جوش میں ہے تاکہ عیسیٰ کی کسر شان ہو جس کو خدا بنایا گیا ؎ چہ خوش ترانہ زدایں مطرب مقام شناس۔ کہ درمیان غزل قول آشنا آورد قرآن شریف اور احادیث میں جو حضرت عیسیٰؑ کے نیک اور معصوم ہونے کا ذکر ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ دوسرا کوئی نیک یا معصوم نہیں۔ بلکہ قرآن شریف اور حدیث نے ضرورتاً یہودیوں کے منہ کو بند کرنے کے لئے یہ فقرات بولے ہیں کہ یہود نعوذ باللہ مریم کو زنا کار عورت اور حضرت عیسیٰؑ کو ولد الزنا کہتے تھے۔ اس لئے قرآن شریف نے اُن کا ذب کیا ہے کہ وہ ایسا کہنے سے باز آئیں۔"

حضرت نبی کریمؐ کی برکات کے بارے میں فرمایا کہ:۔"حضرت رسول کریمؐ کی ہزاروں جسمانی برکات بھی تھیں۔ بعد وفات آنجنابؐ لوگ آپؐ کے جبہ مبارک سے برکات چاہتے تھے۔ بیماریوں میں لوگوں کو شفا بخشتے تھے اور اماسک باران ہوتا تو آپؐ کی دعا سے بارش ہو جایا کرتی تھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ آپؐ کے اصحابؓ تھے۔ جن میں سے بہتوں کی جسمانی تکالیف آپ کی دعاؤں سے دور ہو جایا کرتی تھیں۔ حضرت عیسیٰؑ کو حضرت نبی کریمؐ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جس کے ساتھ محض چند آدمی تھے اور اُن کا حال بھی عیسائی اناجیل سے ظاہر ہے کہ وہ روحانیت کے کس مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے۔"

ابوجہل کے بارے میں فرمایا کہ:۔"ابوجہل اس اُمت کا فرعون تھا۔ کیونکہ اُس نے بھی حضرت نبی کریمؐ کی چند دن پرورش کی تھی جس طرح سے کہ فرعون مصری نے حضرت موسیٰؑ کی کی تھی۔ ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ابتدا میں براہین احمدیہ پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی۔"

آپ نے اپنا ایک پرانا الہام سنایا:۔ یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ والخیر کلہ فی القرآن اور فرمایا کہ اس الہام میں ہمیں حضرت یحییٰ کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت یحییٰؑ کو یہودیوں کی اُن اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے۔ اور اپنی حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے۔ اور ہر بات میں بجائے کتاب اللہ پیش کر کے احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث

کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے ہیں اور وہ احادیث پیش کرتے ہیں۔"

ایک شخص اپنا مضمون اشتہار دربارہ طاعون حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں سنا رہا تھا کہ اذان ہونے لگی اور وہ خاموش ہوگیا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ "پڑھتے جاؤ۔ اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے۔"

ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ سے دریافت کیا کہ اس کی بیوی بچے ایک ایسی جگہ پر ہیں جہاں طاعون کا زور ہے۔ اور وہ اس سے گھبرا گیا ہے اور وہاں جانا چاہتا ہے حضور کا اس بارہ میں کیا حکم ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:۔ "وہاں مت جاؤ لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ۔ پچھلی رات کو اُٹھ کر تہجد میں ان کے لئے بہت بہت دعائیں کیا کرو۔ یہ بہت بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تم خود وہاں جاؤ۔ کیونکہ ایسے مقام پر جانا گناہ ہے۔"

حضرت مسیح موعودؑ پر الہام نازل ہوا۔ انت معنی وانی معک انی بایعتک یا یعنی ربی۔ اس کے بارہ میں آپ نے فرمایا:۔ اللہ تعالیٰ کا منشا ہے کہ قرآن شریف کو حل کیا جائے۔ اسی واسطے اکثر الہامات جو قرآن شریف کے الفاظ میں ہوتے ہیں اُن کی ایک عملی تفسیر ہو جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دکھانا چاہتا ہے کہ قرآن شریف کی زبان ہی زندہ اور بابرکت زبان ہے۔ اور تا کہ ثابت ہو جائے کہ آج سے تیرہ سو سال قبل اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نازل ہوا۔"

پھر فرمایا کہ:۔ قرآن شریف کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی کی ہے۔ والمرسلت عرفاً۔ فالعصفت عصفاً۔ والنشرات نشراً فالفرقت فرقاً۔ فالملقیت ذکراً۔ عذراً او نذراً۔ یعنی قسم ہے ان ہواؤں کی جو آہستہ چلتی ہیں۔ یعنی طاعون کی ابتدا، یہ ہوگی کہ کوئی کوئی وقوعہ طاعون کا ہو جایا کریگا پھر وہ زور پکڑے اور تیز ہو جائے۔ پھر وہ ایسا ہو کہ لوگوں کو پراگندہ کر دے اور پریشان خاطر کر دے۔ پھر ایسے واقعات ہوں کہ مومن اور کافر کے، درمیان فرق اور تمیز کرے۔ اس وقت لوگوں کو سمجھ آجائے گی کہ حق کس امر میں ہے۔ آیا اس امام کی اطاعت میں یا اس کی مخالفت میں۔ یہ سمجھ میں آنا بعض کے لئے صرف حجت کا موجب ہوگا (عذراً) یعنی مرتے مرتے ان کا دل اقرار کر جائیگا کہ وہ غلطی پر تھے اور بعض کیلئے (نذراً) یعنی ڈرانے کا موجب

ہوگا۔ کہ وہ توبہ کرکے بدیوں سے باز آویں اس آیت میں نشر کے معنی چیر ڈالنا انتشار اسی سے نکلا ہے یعنی پھر وہ پوری تباہی لائیں (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵)

۱۸ر اپریل ۱۹۰۲ء صبح حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ: گذشتہ رات کو مجھے یہ الہام ہوا۔ انی مع الرسول اقوم من یلومہ الوم افطر و اصوم۔ یعنی میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ اُس کی مدد کروں گا۔ اور جو اُس کو ملامت کرے گا۔ اُس کو ملامت کرونگا۔ روزہ افطار کرونگا۔ اور روزہ رکھوں گا۔ یعنی کبھی طاعون بند ہو جائیگی اور کبھی زور کریگی۔

بعد از نماز جمعہ آپ کی خدمت میں انجمن حمائیت اسلام لاہور کا اشتہار دربارہ دعا برائے دفعیہ طاعون پیش کیا گیا۔ جس کی تحریک پر آپ نے طاعون کے بارہ میں مختصر سا ایک اشتہار تحریر فرمایا۔

قادیان میں ایک بدگو مخالف آیا ہوا تھا۔ جس نے حضرت کے خدام میں سے ایک کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ جو اُس کے ساتھ گفتگو کرنے کے لئے چلا گیا۔ جب اس امر کی حضرت مسیح موعودؑ کو خبر ملی۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "ایسے خبیث مفسد کو اتنی عزت نہیں دینی چاہیئے۔ کہ اُس کے ساتھ تم میں سے کوئی بات چیت کرے"۔

مختلف لوگوں کو قادیان میں طاعون نہ ہونے کی جو رویا ہوئی تھیں اُس کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ: "مختلف لوگوں کو جو رویا ہوئے ہیں کہ قادیان میں طاعون نہ ہوگی۔ ان خوابوں کو جمع کرکے شائع کر دینا چاہیئے"۔

مولوی محمد احسن صاحب ایک کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اُن سے فرمایا کہ: "اصل میں ہمارا یہ منشا ہے۔ کہ رسول کریمؐ کی تقدیس ہو اور سارے جہان میں آپؐ کی تعریف ہو اور اگر ہماری تعریف ہو۔ تو رسول کریمؐ کے ضمن میں ہو"۔

گذشتہ بزرگان اسلام جو حیات مسیح کے قائل گذرے ہیں اُن کے متعلق فرمایا کہ: "وفات مسیح یا ایسے مسائل کے متعلق جو کچھ گذشتہ زمانہ کے لوگ کہہ گئے ہیں۔ اُن کے بارہ میں ہم حضرت موسےٰؑ کی طرح یہی کہتے ہیں کہ علمھا عند ربی یعنی گذشتہ لوگوں کے حالات سے اللہ تعالےٰ بہتر واقف ہے۔ ہاں موجودہ زمانہ کے لوگوں کو ہم نے کافی طور پر سمجھا کر اُن پر حجت قائم کر دی ہے"۔

اپنے دعوے کے بارے میں فرمایا کہ "خدا نو چور کا بھی دشمن ہے۔ اگر میں مفتری ہوتا۔ تو

وہ مجھے اتنی مہلت کیوں دیتا۔ ہاں یہ امر اللہ تعالےٰ کی عادت میں سے ہے۔ کہ دنیا میں مخالف موافق ہر قسم کے لوگ موجود ہوں۔ تاکہ ایک نظارۂ قدرت نظر آئے۔ جن دنوں ہمارے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ تو لوگوں نے غلط فہمی پھیلانے کے لئے بہت کچھ شور مچایا کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ انہیں ایام میں یہ الہام ہوا تھا۔ ؎ دشمن کا بھی خوب وار نکلا۔ جس پر بھی وہ وار پار نکلا۔ یعنی مخالفوں نے تو یہ شور مچایا ہے۔ کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ لیکن فہیم لوگ جلد سمجھ جائینگے۔ اور ناواقف لوگ شرمندہ ہوں گے۔"

اللہ تعالےٰ کے وعدوں کے بارے میں فرمایا کہ:۔ "مکہ والوں کو جب فتح کا وعدہ دیا گیا۔ تو اُن کو تیرہ سال اس کے انتظار میں گذر گئے۔ لیکن آخر کار اللہ تعالےٰ کے وعدہ کا دن آگیا اور دشمن تباہ و برباد ہو گئے۔ ورنہ وہ اس سے پہلے کہا کرتے تھے۔ متی ھذا الفتح"

مومنوں پر ابتلاؤں کے نزول کی وجہ کے بارے میں فرمایا کہ:۔ "اللہ تعالےٰ تمحیص کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ جیسا دوسرے پیروں کا حال ہے۔ اُن کی طرح ہمارے ساتھ بھی ناپاک اور گندے لوگ شامل نہ ہو جائیں۔ اسی واسطے مختلف قسم کے ابتلا ہماری جماعت پر آتے رہتے ہیں۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶)

۲۶ر اپریل ۱۹۰۲ء ایک شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جو زیور استعمال میں آتا ہے۔ اور مثلاً کوئی بیاہ شادی پر مانگ کر لے جاتا ہے۔ تو دیدیا جاتا ہے۔ وہ زکوٰۃ سے مستثنےٰ ہے (باقی پر دیا جاتا ہے)

سوال ہوا۔ کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں۔ اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ "اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا اور سمجھتا تھا۔ تو اُس کا جنازہ نہ پڑھو۔ اور اگر خاموش تھا۔ اور درمیانی حالت میں تھا۔ تو اُس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔"

سوال ہوا کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں۔ تو اُس کے پیچھے نماز پڑھ لیں یا نہ پڑھیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ "پہلے تمہارا فرض ہے۔ کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق نہ کرے۔ نہ تکذیب کرے۔ تو وہ بھی منافق ہے۔ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ "اگر کوئی ایسا آدمی مر جائے۔ جو تم میں سے نہیں۔ اور اُس کا جنازہ پڑھنے اور پڑھانے والے غیر لوگ موجود ہوں۔ اور وہ پسند نہ کرتے ہوں۔ کہ تم میں سے کوئی جنازہ کا پیش امام بنے۔ اور جھگڑے کا خطرہ ہو۔ تو ایسے مقام کو ترک کرو۔ اور اپنے کسی نیک کام میں مصروف ہو جاؤ۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶)

۲۷ر اپریل ۱۹۰۲ء حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ جیسا کہ ایک یہودی فاضل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ موجودہ مذہب نصاریٰ جس میں شریعت کا کوئی پاس نہیں اور سؤر کھانا اور غیر مختون رہنا وغیرہ تمام باتیں شریعت موسوی کے مخالف ہیں۔ یہ باتیں اصل میں پولوس کی ایجاد ہیں۔ اس واسطے ہم اس مذہب کو عیسوی مذہب نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ در اصل یہ پولوسی مذہب ہے۔ اور ہم تعجب کرتے ہیں کہ حواریوں کو چھوڑ کر اور اُن کی رائے کے برخلاف کیوں ایسے شخص کی باتوں پر اعتبار کر لیا گیا تھا جس کی ساری عمر یسوع کی مخالفت میں گذری تھی۔ مذہب عیسوی میں پولوس کا ایسا ہی حال ہے۔ جیسا کہ بابا نانک کی اصل باتوں کو چھوڑ کر قوم سکھ گورو گوبند سنگھ کی باتوں کو پکڑ بیٹھی ہے۔ کوئی سند ایسی نہیں مل سکتی۔ جس کے مطابق عمل کر کے پولوس جیسے آدمی کے خطوط انجیل اربعہ کے ساتھ شامل کیے جا سکتے تھے۔ پولوس خواہ مخواہ معتبر بن بیٹھا تھا۔ ہم اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتے جو خواہ مخواہ صحابی بن بیٹھا ہو۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶)

۲۸ر اپریل ۱۹۰۲ء اشتہار دافع البلاء کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ بہت تاکید فرما رہے تھے کہ اُسے بہت جلدی شائع کیا جائے لیکن مطبع میں ایک ہفتہ کے اندر صرف سات آٹھ سو چھپ سکتا تھا۔ اس پر شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم نے عرض کی۔ کہ میں اپنے ہر دو پریس دو دن کے لئے خالی کر دیتا ہوں جس سے حضرت مسیح موعودؑ نے بہت پسند فرمایا اور حکم دیا ایسا ہی کیا جائے "تاکہ یہ اشتہار وقت پر جلد شائع ہو سکے۔"

حضرت مسیح موعودؑ کو الہام ہوا۔ انی احافظ کل من فی الدار۔ اسکے بارے میں آپ نے فرمایا کہ:۔ "دار کے معنی نہیں کھلے۔ یا اس سے مراد صرف میرا گھر ہے۔ یا قادیان میں جتنے ہمارے سلسلہ کے متعلق گھر ہیں مثلاً مدرسہ اور مولوی نورالدین صاحب کا گھر وغیرہ۔" (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶)

۲۹ر اپریل ۱۹۰۲ء نماز ظہر کے وقت حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ: "چراغدین جمونوالے نے اپنا توبہ نامہ بھیجدیا ہے۔ یہ اُسکی بڑی سعادت ہے۔ اور ہم مان لیتے ہیں کہ اُسنے دراصل کوئی افترا نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُس کو حدیث نفس اضغاث احلام سے ایک دھوکا لگ گیا تھا۔ شیخ یعقوب علی صاحب الحکم میں شائع کر دیں کہ سب لوگ اُسے اپنا بھائی سمجھیں۔ اور حسن اخلاق کے ساتھ اُس سے پیش آئیں"۔ ۲۸ر اپریل والے الہام کا ذکر مجلس مسیح موعودؑ میں آیا تو آپ نے فرمایا کہ: "ہم تو چاہتے ہیں۔ کہ ہمارا گھر اتنا بڑا ہوتا۔ کہ ساری جماعت کے آدمی اُس میں آجاتے"۔

عیسائیوں کے باہمی اختلافات کا ذکر مجلس میں ہوا۔ اور اس بارہ میں ایک کتاب پڑھی جارہی تھی کہ جسمیں لکھا تھا۔ کہ موجودہ عیسوی مذہب پولوس نے فریب دہی سے بنایا ہے۔ خود حضرت مسیحؑ کا یہ مذہب نہ تھا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ: "دیکھو یہ لوگ خود ہی عیسائیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں کیونکہ احادیث میں آیا ہے۔ کہ اگر مسیح موعودؑ دجال کو نہ مارے گا۔ تب بھی وہ خود ہی گل گل کر مر جائیگا"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶)

۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ گذشتہ رات الہام ہوا لولا الامر لھلك النمر۔ یعنی اگر سنت اللہ اور امر الٰہی اس طرح پر نہ ہوتا کہ ائمۃ الکفر اخیر میں ہلاک ہوا کریں۔ تو اب بھی بڑے بڑے مخالف جلد تباہ ہو جاتے۔ لیکن چونکہ بڑے لوگ جو مخالف ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک خوبی عرم ہمت اور لوگوں پر حکمرانی اور اثر ڈالنے کی ہوتی ہے۔ اِس لئے اُن کے متعلق یہ امید بھی ہوتی ہے۔ کہ شاید آخر کار لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کر کے توبہ کر لیں اور اپنی اُن قوتوں کو خدمت دین میں لگا دیں"۔

دین و دنیا کے تعلق کے بارے میں فرمایا کہ: "اس بات میں بڑی لذت ہے کہ انسان خدا کے وجود کو سمجھ لے۔ کہ وہ ہے۔ اور رسول کو برحق جانے۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے گذارے کے مطابق اپنی معیشت کو حاصل کرے۔ اور دنیا کی بہت مراد یا بیوں کی خواہشات کے پیچھے نہ پڑے" (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶)

ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کے لئے کر رہے ہیں۔ ہم تو اسلام کے مزدور ہیں۔ میرا نام جو غلام احمد رکھا۔ میرے والدین کو کیا خبر تھی۔ کہ اس میں کیا

راز ہے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ مسیح موعودؑ ابن مریمؑ سے بڑھکر ہے۔ اس میں بھی یہی سرّ تھا کہ آنحضرت کی شان بزرگ دکھائی جائے۔ مسیح ابن مریمؑ حضرت موسیٰؑ کا مسیح تھا اور یہ عاجز حضرت محمدؐ کا مسیح۔ وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے ایک محدود وقت کیلئے آیا تھا اور یہ مسیح کل دنیا کیلئے اور ہمیشہ کیلئے آیا ہے۔ کیونکہ یہ مسیح اُس عظیم الشان نبی کا ہے۔ جو انی رسول اللہ الیکم جمیعاً کا مصداق ہے۔ پہلا مسیح واقعات اور عیسائیوں کے مسلمات کے لحاظ سے نامراد گیا۔ اسلئے اُن کو ماننا پڑا کہ مسیح کا دوسرا نزول جلالی ہوگا۔ یہودی بھی یہی مانتے ہیں کہ دوسرا مسیح بڑھکر ہوگا۔ اس زمانہ کے جاہل لوگ ان باتوں سے برافروختہ ہوتے ہیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم ہے۔ کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کے ان کلمات سے عرش پر خوشی کرتے ہیں اور ترنم کرتے ہیں۔ سلف پر حجّت نہیں۔ لیکن آج یہ حجت پوری ہو چکی ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو کھول کھول کر بتا دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی نشانات سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

اگر میں بقول ان کے اسلام کو مٹانا چاہتا تو کیا اللہ تعالیٰ میرے دل کی حالت کو نہیں جانتا تھا۔ پھر اس نے کیوں اسقدر تائیدات سے اس سلسلہ کو مستحکم کیا۔ کیا خود خدا اسلام کا دشمن ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ لوگ میری مخالفت کرتے ہیں۔ یہ خود اسلام کے دشمن ہیں۔ جو اس سلسلہ کی دشمنی میں حد سے بڑھ گئے ہیں۔ جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے اسلام کی صداقت اور عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے قایم کیا ہے۔ کوئی ان لوگوں سے دریافت تو کرے کہ خدا جھوٹوں کے ساتھ ایسی ہی کارروائی کیا کرتا ہے۔ کہ اس قدر مہلت دے اور تائیدات سے اسکی سچائی پر گواہ ٹھہرے۔ مجھ سے چھوٹی عمر کے صدہا آدمی یہاں مر چکے ہیں۔ تو کیا خدا ایک مفتری اور دشمن اسلام کے ساتھ ایسا ہی کرتا کہ اسکی عمر اور صحت میں برکت دیتا۔ غور سے دیکھ لو۔ کہ منہاج نبوت پر کونسی کارروائی ہے۔ جو خدا نے اس سلسلے کے لئے نہیں کی۔

ہم گورنمنٹ سے نیکی کے بدلے نیکی کرتے ہیں۔ لیکن ایمان فروشی نہیں کر سکتے۔ اور جو کچھ ہم گورنمنٹ کے متعلق کہتے ہیں۔ اور تعلیم دیتے ہیں۔ منافقانہ طور پر نہیں کہ باہر گورنمنٹ سے ملے تو کہدیا۔ کہ غوثی مہدی سے منکر ہیں۔ اور وہ حدیثیں مجروح ہیں۔ اور گھر آئے تو کہدیا کہ وہ حدیثیں صحیح ہیں۔ ہم ہرگز اس بات کی پرواہ نہیں کر سکتے کہ لوگ

ہماری نسبت کیا کہتے ہیں؟ جو امر حق ہے اس کے اظہار سے ہم نہیں رُک سکتے۔
جب صادق کے دشمن کثرت سے ہو جائیں تو سمجھ لو کہ اب کرامت ظاہر ہوگی۔ اگر
کاذب کے دشمن کثرت سے ہوں تو اسکی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے۔
اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا ایک پرانا الہام سنایا "لوگ آئے اور
اسکو پکڑ بیٹھے۔ شیر خدا نے ان کو پکڑا اور شیر خدا نے فتح پائی"
بعد ازاں فرمایا کہ مسیح موعودؑ کیلئے جو لکھا ہے کہ وہ دو فرشتوں کے ساتھ اُترے گا
اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری اور باطنی طور پر اسکو محفوظ رکھیگا اور ملائکہ اس کے
ساتھ ہونگے۔ ورنہ مامور کے ساتھ تو ہزاروں ملائکہ ہوتے ہیں۔ جو دنیا میں کام کرتے ہیں۔
اس وقت جو عالمگیر تحریک ہو رہی ہے یہ ملائکہ ہی کا کام ہے۔ ایسی ایسی جگہوں سے
خطوط آتے ہیں۔ جہاں ہمیں وہم بھی نہیں ہوتا کہ ہماری کوئی اطلاع ہوگی (الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲)

۵ مئی ۱۹۰۲ء گذشتہ رات کے تین بجے حضرت مسیح موعود کو الہام ہوا۔ انی احافظ کل من فی الدار الا الذین علوا باستکبار
یعنی میں دار کے اندر رہنے والوں کی حفاظت کرونگا۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے
تکبر کے ساتھ علو کیا۔ علو دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جائز ہوتا ہے۔ اور دوسرا ناجائز۔
جائز کی مثال وہ علو ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ میں تھا۔ اور ناجائز کی مثال وہ علو ہے
جو فرعون میں تھا۔
اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ "آج صبح کی نماز کے بعد یہ الہام ہوا۔
انی اری الملائکۃ الشداد یعنی میں سخت فرشتوں کو دیکھتا ہوں۔ جیسا کہ مثلاً
ملک الموت وغیرہ ہیں"۔ بعد ازاں فرمایا کہ:۔ خدا تعالیٰ کے غضب شدید سے بغیر تقویٰ و
طہارت کے کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس ہمارے سب احباب کو چاہیئے۔ کہ تقویٰ و طہارت
کو اختیار کریں۔ کیونکہ اگر کوئی فاسق اور فاجر دار میں داخل ہو جائے۔ تو اس کا عذاب سے
بچ رہنا کیونکر یقینی ہو سکتا ہے۔ ہاں اس میں پھر بھی ایک قسم کی خصوصیت کی گئی ہے
یعنی وہ لوگ جو علو و استکبار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے
لیکن الہام انہ اوی القریہ میں یہ امر نہیں۔ بلکہ وہاں انتشار اور شدید ہل چل سے
بچنے کا وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا امر نہیں کیا کرتا۔ جس سے لوگوں پر گناہ و

نافرمانی پر جرأت پیدا ہو جائے۔ اور وہ گناہ کی طرف جھکنے لگیں۔ منکر علو کرنے والوں کے استثناء کی مثال ایسی ہے۔ جیسا کہ ایک کافر نے حضرت رسول کریمؐ کے زمانہ مبارک میں بیت اللہ کی پناہ لی تھی۔ لیکن آنحضرتؐ نے باوجود اس کے حکم دیا کہ اس کو اسی جگہ قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر مفسد کو پناہ نہیں دیتا۔ قادیان کے گاؤں میں درصل اس قسم کے سخت دل اور مخالفِ دین اسلام لوگ موجود ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس سلسلہ کا اکرام نہ ہوتا۔ تو یہ سارا گاؤں ہلاک ہو جاتا۔ اور اب بھی اگرچہ ممکن ہے کہ بعض وارداتیں طاعون کی ہوں۔ لیکن تاہم اللہ تعالیٰ ایک مابہ الامتیاز قائم رکھیگا"۔

ایک شخص نے ایک لمبا خط حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں لکھا۔ کہ سیونگ بنک و دیگر تجارتی کارخانوں کا سود جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ ناجائز ہونے کی صورت میں مسلمانوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

"یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اور جب تک کہ اسکے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے۔ اور ہر قسم کے نقصانات و فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے سامنے پیش نہ کئے جائیں۔ ہم اسکے متعلق اپنی رائے دینے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ کہ یہ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں طریقے روپیہ کمانے کے پیدا کئے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیئے کہ ان کو اختیار کرے اور سود سے پرہیز کرے۔ ایمان صراط مستقیم سے وابستہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اس طرح سے ٹالدینا گناہ ہے۔ فرض کرو۔ کہ اگر دنیا میں سور کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ثابت ہو جائے۔ تو کیا مسلمان اسکی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھ لیں۔ کہ سود کا چھوڑ دینا اسلام کیلئے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ تب ہم اسے فمن اضطر غیر باغ ولا عاد کے ماتحت لاکر جائز کہہ دینگے۔ لیکن موجودہ صورت میں کوئی ایسا امر دکھائی نہیں دیتا۔ پھر ساتھ ہی اس کے یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔ ہم فی الحال بڑے بڑے عظیم الشان امور دینی کی طرف متوجہ ہیں۔ اور ہمیں تو اس وقت لوگوں کے ایمانوں کا فکر پڑا ہوا ہے۔ اور ایسے ادنیٰ امور کی طرف ہم توجہ ہی نہیں کر سکتے۔ اگر ہم بڑے عظیم الشان دینی مہمات کو چھوڑ کر ابھی سے ایسے ادنےٰ کاموں میں لگ جائیں۔ تو ہماری مثال اُس بادشاہ کی ہوگی۔ جو ایک ایسے مقام پر محل

بناتا ہے۔ جہاں پر شیر درندے اور سانپ وغیرہ وغیرہ مکھیاں اور چیونٹیاں ہیں۔ اگر وہ سب سے پہلے درندوں اور سانپوں کو ہلاک کرنیکی بجائے مکھیوں اور چیونٹیوں کے فنا کرنے میں اپنی طاقت و ہمت صرف کردے۔ تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس مسئلہ کو سمجھنا چاہیئے۔ کہ تم سب سے پہلے اپنے ایمان کا فکر کرو۔ اور دو چار ماہ کے واسطے یہاں آکر ٹھیرو۔ تاکہ تمہارے دل و دماغ میں روشنی پیدا ہو۔ ایسے خیالات میں نہ پڑو۔ (الحکم جلد ۶ ۱۷)۔

ہفتہ مختتمہ ۲۴ مئی ۱۹۰۲ء اس ہفتہ حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت ناساز رہی۔ اور صحت یاب ہو کر ۲۳ مئی کو باہر تشریف لائے۔ دورانِ ایام دورہ مرض میں ذیل کے الہامات آپ پر نازل ہوئے۔ الیوم یوم عید کل یوم ھو فی شان اے میرے قادر خدا اس پیالہ کو ٹال دے۔ خدا غمگین ہے۔ یعظمک الملائکۃ" (الحکم جلد ۶ ۱۹)۔

۲۶ مئی ۱۹۰۲ء دن کے ۹ بجے خدام حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو مختلف باتوں کے تذکرہ کے اثناء میں آپ نے فرمایا کہ:۔ میں بڑی تاکید سے اپنی تمام جماعت کو جہاں کہیں کہ وہ ہیں منع کرتا ہوں کہ وہ مخالفین سے کسی قسم کا مباحثہ۔ مقابلہ اور مجادلہ نہ کریں۔ اگر کہیں اُن میں سے کسی کو مخالف سے کوئی درشت اور ناملائم بات سننے کا اتفاق ہو۔ تو اعراض کرے۔ کیونکہ میں یہ بات بڑے وثوق اور سچے ایمان سے کہتا ہوں۔ کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری تائید میں آسمان پر خاص تیاری ہو رہی ہے۔ اور ہماری طرف سے ہر پہلو کے لحاظ سے مخالفین پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ اسلئے اب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کارروائی کے کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ جو وہ اپنی سنت قدیم کے مطابق اتمام حجت کے بعد کیا کرتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ اگر ہماری جماعت کے لوگ بدزبانیوں اور فضول بحثوں سے باز نہ آئینگے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ آسمانی نصرت کی کسی کارروائی میں کوئی تاخیر اور روک پیدا ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہمیشہ اس کا عتاب اُن لوگوں پر ہوتا ہے۔ جن پر اس کے فضل اور عنایات بیشمار ہوں۔ اور جنہیں وہ اپنے نشانات دکھا چکا ہوتا ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی طرف

کبھی متوجہ نہیں۔ جن کے خلاف اس کا آخری فیصلہ نافذ ہونا ہوتا ہے۔ تاکہ اُنہیں عتاب خطاب یا ملامت کرے۔ چنانچہ ایک طرف آنحضرتؐ کو فرماتا ہے۔ فاصبر کما صبر اُولوا العزم ولا تستعجل لھم اور دوسری طرف فرمایا ولا تکن کصاحب الحوت اور نیز فرمایا فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض الخ یہ حجت آمیز خطاب اس بات پر ہے کہ آنحضرتؐ بہت جلد کفار کے حق میں فیصلہ چاہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مصالح اور سُنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آخر کار اُس نے آنحضرتؐ کے دشمنوں کو ایسا کچلا اور پیٹ ڈالا کہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ اسی طرح ممکن ہے۔ کہ ہماری جماعت کے بھی بعض لوگ مخالفین کی طرح طرح کی گالیاں۔ افترا پردازیاں اور بدزبانیاں خدا تعالیٰ کے اس سچے سلسلہ کی نسبت سُنکر اضطراب اور استعجال میں پڑ جائیں لیکن اُنہیں سنت الٰہیہ کو جو حضرت نبی کریمؐ کے ساتھ برتی گئی ہمیشہ مدّ نظر رکھنا چاہیئے اسلئے میں پھر بار بار تاکید سے حکم کرتا ہوں۔ کہ جنگ و جدال کے مجمعوں۔ جملہ ایسی تحریکوں اور تقریبوں سے کنارہ کشی کرو۔ اسلئے کہ جو کام تم کرنا چاہتے ہو۔ یعنی دشمنوں پر حجت پوری کرنا۔ وہ کام اب اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ تمہارا کام اب یہ ہونا چاہیئے۔ کہ دعاؤں اور استغفار اور عبادت الٰہی اور تزکیہ نفوس میں مشغول ہو جاؤ۔ اور اس طریق سے اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کی اُن عنایات اور توجہات کا مستحق بناؤ۔ جن کا اُس نے وعدہ فرمایا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالےٰ کے میرے ساتھ بڑے بڑے وعدے اور پیشگوئیاں ہیں۔ جن کی نسبت میرا یقین ہے۔ کہ وہ پوری ہونگی۔ لیکن تب بھی تم خواہ مخواہ اُن پر مغرور مت ہو جاؤ۔ اور ہر قسم کے حسد۔ کینہ۔ بُغض غیبت اور کبر و رعونت اور فسق و فجور کی ظاہری اور باطنی راہوں اور کسل و غفلت سے بچتے رہو۔ اور خوب یاد رکھو کہ انجام کار ہمیشہ متقیوں کا ہوتا ہے۔ جس طرح سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والعاقبۃ عند ربک للمتقین۔ اسلئے تم بھی متقی بننے کی فکر کرو۔

حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ذکر کیا۔ کہ حضور کی بیماری کی شدّت میں میرے دل میں بہت رقت پیدا ہوئی۔ تو میں نے حضور کی صحت کیلئے بہت بہت دعا کی۔ کہ "مولا کریم اسلام کی عزت۔ قرآن کی عزت نبی کریمؐ کی عزت اور بالآخر

تیری اپنی عزت وجلال کے اظہار کا بھی اس وقت یہی شخص ذریعہ ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ "بیماری کی شدت میں جبکہ یہ گمان ہوتا تھا۔ کہ روح پرواز کر جائیگی۔ مجھے بھی الہام ہوا۔ "اللّٰھم ان اھلکت ھذہ العصابۃ فلن تعبد فی الارض ابداً" یعنی اے خدا اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اسکے بعد اس زمین میں تیری پرستش کبھی نہ ہوگی۔ یقیناً یاد رکھو۔ کہ یہ سلسلہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اور اگر یہ سلسلہ اُسکی طرف سے قائم نہ ہوتا۔ تو تمام دنیا میں نصرانیت پھیل جاتی۔ اور خدائے واحد لاشریک کی توحید قائم نہ رہتی۔ اور یا کچھ ہمارے مخالف مسلمان رہجاتے۔ جو اپنے ناپاک اور جھوٹے عقیدوں کے ساتھ نصرانیت کو مدد دیتے ہیں۔ اور ان کے معبود اور خدا بنائے ہوئے مسیح کیلئے میدان خالی کرتے ہیں۔ یاد رکھو اور خوب یاد رکھو۔ کہ یہ سلسلہ اب کسی ہاتھ اور طاقت سے نابود نہ ہوگا۔ یہ ضرور بڑھیگا۔ اور پھلے پھولیگا۔ اور خدا کی بڑی بڑی برکتیں اور فضل اس پر ہونگے۔ جب ہیں ہر روز زندہ اور مبارک خدا کے وعدے ملتے ہیں۔ اور وہ ہمیں تسلی دیتا رہتا ہے۔ کہ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور ہماری دعوت کو زمین کے تمام کناروں تک پہنچائیگا۔ پھر ہم کسی مخالف کی تحقیر یا گالی گلوچ پر کیوں مضطرب ہوں" (الحکم جلد ۶ ۔ ۲۰)

۳۰ مئی ۱۹۰۲ء شام کے وقت مختلف باتوں کے تذکرہ کے درمیان حضرت مسیح موعودؑ کے حضور ایک شخص نے عرض کی۔ کہ ہمارے مخالف لوگ جناب کے اس فقرہ پر کہ "میں مسیحؑ اور حسینؓ سے بڑھکر ہوں۔ بہت جھلا رہے ہیں۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ "دنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خواہ مخواہ بلا کسی قسم کے استحقاق کے اپنے تئیں محامد۔ مناقب اور صفات محمودہ سے موصوف کرنا چاہتے ہیں۔ گویا وہ یہ چاہتے ہیں۔ کہ خدائے تعالیٰ کی کبریائی کی چادر آپ اوڑھ لیں۔ ایسے لوگ لعنتی ہوتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو طبعاً ہر قسم کی مدح وثنا اور منقبت سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے اختیار پر چھوڑ دیئے جائیں۔ تو دل سے پسند کرتے ہیں۔ کہ گوشۂ گمنامی میں زندگی گذار دیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے مصالح اور باریک حکمتوں کی بنا پر اُنکی تعریف اور تمجید کرتا ہے۔ اور فی الحقیقت ہونا بھی اسی طرح چاہیئے۔ کیونکہ

جن لوگوں کو وہ مامور کرکے دنیا میں بھیجتا ہے۔ اُنکی ماموریت سے اس کا یہ منشا ہوتا ہے کہ اسکی حمد و ثنا اور جلال دنیا میں ظاہر ہو۔ اگر وہ اپنے ماموروں میں سے کسی کی نسبت یہ کہے کہ فلاں مامور جسے اُسنے مبعوث کیا ہے۔ ایسا نکما۔ بزدل۔ نالائق۔ کمینہ۔ سفلہ اور ہر قسم کے فضائل سے عاری اور بیگانہ ہے۔ تو کیا ایسے مامور کے ذریعہ سے اسکی کوئی صفت قائم ہوسکیگی۔ درحقیقت خدا تعالیٰ کا اپنے ماموروں کی تمجید اور تعریف اور فضایل بیان کرنا خود اپنے ہی جلال اور عظمت کے اظہار کیلئے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ تو اپنے نفس سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ اور ہر قسم کی مدح اور ذم سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سالہا سال پہلے جبکہ نہ کوئی مقابلہ تھا نہ میرے گرد و پیش کوئی مجمع تھا اور نہ یہ مجلس اور اسکی کوئی تمہید تھی۔ اور نہ ہی دنیا میں میری کوئی شہرت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میری نسبت یہ فرمایا یحمدك الله من عرشه نحمدك ونصلی کنتم خیر امة اخرجت للناس وافتخارا للمؤمنین یا احمد فاضت الرحمة علی شفتیك انك بأعیننا یرفع الله ذکرك ویتم نعمته علیك فی الدنیا والاخرة یا احمدی انت مرادی ومعی غرست کرامتك بیدی۔ یا احمد یتم اسمك ولا یتم اسمی۔ بورکت یا احمد وکان ما بارك الله فیك حقا فیك ثنائك عجیب واجرك قریب انی جاعلك للناس اماما انت وجیه فی حضرتی اخترتك لنفسی الارض والسماء معك کما هو معی وسرك سری انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی۔ سبحان الله تبارك وتعالے زاد مجدك۔ سلام علیك جعلت مبارکا وانی فضلتك علی العلمین ولقد کرمنا بنی آدم وفضلنا بعضهم علی بعض۔ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی وان علیك رحمتی فی الدنیا والدین والقیت علیك محبة منی ولتصنع علی عینی۔ یحمدك الله ویمشی الیك خلق آدم فاکرمه جبری الله فی حلل الانبیاء انت منی وانا معك خلقت لك لیلا ونهارا اعمل ما شئت فانی قد غفرت لك انت منی بمنزلة لا یعلمها الخلق۔ ویعصمك الله ولو لم یعصمك الناس ولو لم یعصمك الناس یعصمك الله۔ انت المسیح الذی لا یضاع وقته کمثلك

دُرٌ لا یضاع - انت الشیخ المسیح وانی معک ومع انصارک وانت اسمی الاعلیٰ وانت منی بمنزلۃ توحیدی وتفریدی وانت منی بمنزلۃ المحبوبین علیک برکات وسلام - سلام قولا من رب رحیم مظہر الحیّ وانت منّی مبدء الامر وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ - میں اپنے قلب کو دیکھکر یقین کرتا ہوں - کہ کل انبیاء طبعاً ہر ایک قسم کی تعریف اور مدح وثنا سے کراہت کرتے تھے - لیکن جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں بیان فرمایا ہے - اپنے مصالح کی بناپر فرمایا ہے - اور میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاکر کہتا ہوں - کہ یہ الفاظ میرے الفاظ نہیں - بلکہ خدا تعالیٰ کے الفاظ ہیں - اور اس لئے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول محمدؐ کی عزت اور جلال وعظمت کو خاک میں ملادیا گیا ہے اور حضرت مسیحؑ اور حضرت حسینؓ کے حق میں ایسا غلو اور اطرا کیا گیا ہے - کہ جس سے اللہ تعالیٰ کا عرش کانپتا ہے - اب جبکہ کروڑہا مخلوقِ خدا حضرت عیسیٰ کی بیجا اور حد سے بڑھی ہوئی مدح وثنا کے باعث گمراہ ہوچکی ہے - اور اسی طرح بے انتہا مخلوق حضرت حسینؓ کی نسبت غلو اور اطرا کرکے ہلاک ہوچکی ہے - تو اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور غیرت اس وقت یہی چاہتی ہے - کہ وہ تمام عزتوں کے کپڑے جو بیجا طور پر ان کو پہنائے گئے ہیں - ان سے اُتار کر حضرت نبی کریمؐ اور اللہ تعالیٰ کو پہنا دیئے جائیں - پس ہماری نسبت یہ تعریفی کلمات درحقیقت خدا تعالیٰ کی اپنی عزت کے اظہار اور حضرت نبی کریمؐ کی عظمت کے اظہار کیلئے ہیں - میں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے - کہ تمام محامد اور مناقب اور تمام صفات جمیلہ آنحضرتؐ کی طرف رجوع کریں - میری تمام تر خوشی اسی میں ہے - اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے - کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت نبی کریمؐ کی عزت دنیا میں قائم ہو - میں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جسقدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں یہ بھی درحقیقت آنحضرتؐ ہی کی طرف راجع ہیں - اسلئے کہ میں آپؐ کا ہی غلام ہوں - اور آپ ہی کے مشکوٰۃ نبوت سے نور حاصل کرنے والا ہوں - اور مستقل طور پر ہمارا ایمان کچھ بھی نہیں - اسی سبب سے ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ وہ مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرتؐ مامور ہے اور خدا تعالیٰ

سے تعلق رکھتا ہے تو وہ مردود اور مخذول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مُہر لگ چکی ہے اس بات پر کہ کوئی شخص وصول الی اللہ کے دروازے سے آ نہیں سکتا۔ بجز اتباع آنحضرتؐ کے (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰)۔

۳۱ مئی ۱۹۰۲ء شرک کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ شرک تین قسم کا ہوتا ہے۔ اوّل یہ کہ عام طور پر بت پرستی درخت پرستی وغیرہ کی جائے۔ یہ سب سے عام اور موٹی قسم کا شرک ہے۔ دوسری قسم شرک کی یہ ہے۔ کہ اسباب پر حد سے زیادہ بھروسہ کیا جائے۔ مثلاً ایسا کہا جائے۔ کہ فلاں کام نہ ہوتا۔ تو میں ہلاک ہو جاتا۔ یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم شرک کی یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بھی کوئی شے سمجھا جائے۔ پہلی قسم کے موٹے شرک میں تو اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں آجکل کوئی شاذ و نادر ہی گرفتار ہوتا ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ کی مادی ترقی کے سبب سے شرک فی الاسباب بہت بڑھ گیا ہے۔ طاعون کے پھیلنے پر اس بات کا تو کسی کو خیال نہیں۔ کہ یہ شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس لئے دیگر اسباب تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ اور اُنہیں کی طرف ساری توجہ اور زور ہے۔

نماز اپنی زبان میں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس زبان میں قرآن شریف نازل کیا ہے۔ اُسے چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ ہاں اپنی حاجتوں کو اپنی مادری زبان میں خدا تعالیٰ کے حضور بعد مسنون تسبیحات اور اذکار کے بیان کر سکتے ہیں۔ لیکن نماز کی اصلی زبان یعنی عربی کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ عیسائیوں نے اصل زبان کو چھوڑ کر کیا پھل پایا۔ یہاں تک کہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔

قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ طاعون سے کوئی جگہ باقی نہ رہیگی جیسا کہ فرمایا۔ ان من قریۃ الا نحن مھلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا الخ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ کوئی قریہ مس طاعون سے باقی نہ رہے۔ اس لئے قادیان کی نسبت یہ فرمایا۔ انہ اوی القریۃ یعنی اس کو انتشار اور افراتفری سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سزائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک کلیتہً ہلاک کر دینے والی۔ جسکے مقابلے میں فرمایا لولا الاکرام لہلک المقام۔ یعنی یہ مقام ہلاکت سے بچا لیا جائیگا۔ سزا کی دوسری

قسم بطور تعذیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قادیان کو ہلاکت سے تو محفوظ رکھا ہے۔ لیکن دوسری قسم کی سزا بطور تعذیب ممنوع نہیں بلکہ ضروری ہے۔

اناج کے ایک دانے کا کیا وجود ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ جمع کئے جائیں تو ایک انسان کی سیری کا موجب ہو جاتے ہیں۔ ایک سیر خام میں قریباً پندرہ ہزار دانے ہوتے ہیں۔ جن سے ایک آدمی بخوبی سیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر اگر آیات اللہ کو جمع کر لیا جائے اور انکی قدر کی جائے تو وہ روحانی سیری کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اگر ہمارے نشانات کو بچشم نظر سے دیکھا جائے۔ تب اُنکی قوت اور شوکت معلوم ہوتی ہے۔

آجکل جو ایک پہاڑ کی وجہ سے جزائر غرب الہند میں سینٹ پیری اور مارٹینک تباہ و برباد ہو گئے ہیں۔ اُن کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں ذکر تھا جس پر آپ نے فرمایا کہ لوطؑ کی بستی پر بھی اسی طرح پتھر برسائے گئے تھے۔ جس طرح سے کہ کوہ آتش فشاں سے پڑتے ہیں۔ اور یہی قانون قدرت ہے۔ موجودہ واقعہ ہلاکت کا ہوا ہے۔ یہ مسیح موعودؑ کے زمانے کا ایک نشان ہے۔

توریت کے بارے میں ذکر آنے پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ہم قرآن کریم کے ذریعہ سے توریت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ توریت کے ذریعہ قرآن کی اصلاح کرنا نہیں چاہتے۔ توریت کا قرآن شریف سے مقابلہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔ جس جس مقام پر قرآن اور توریت میں اختلاف نظر آتا ہے۔ غور کرنے سے صاف طور پر نظر آجاتا ہے کہ توریت کے بیان میں گند اور جھوٹ ملا دیا گیا ہے۔ جو بعد کی کارستانی ہے۔

انبیاء اور مامور ہمیشہ کمزور آتے ہیں۔ یعنی ابتداء میں وہ حقیر اور ذلیل نظر آتے ہیں۔ اور فلسفی لوگ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور اُن کے ذریعہ سے ہو جاتا ہے۔ جو ہر ایک کو قائل کر دیتا ہے (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰)۔

ہفتہ مختتمہ ۱۰ جون ۱۹۰۲ء صبح کی سیر سے واپسی پر حضرت مسیح موعودؑ نے شیخ عبدالرحمٰن صاحب ملازم نواب محمد علی خانصاحب کو جو نواب صاحب کی ملازمت سے مستعفی ہونا چاہتے تھے۔ مخاطب کر کے فرمایا۔ "ایک ملازم کے لئے کسی شخص کی ملازمت اختیار کرنے سے پہلے

یہ دیکھ لینا چاہیئے۔ کہ آیا اس کا آقا نیک اور متقی ہے۔ کیونکہ بندگی بیچارگی میں ایک ملازم ناصح کا درجہ نہیں پا سکتا۔ اسلئے بسا اوقات انسان ایسے لوگوں کی ملازمت میں پھنس جاتا ہے۔ جہاں دین بھی برباد ہو جاتا ہے۔ اسلئے نواب صاحب کی ملازمت کو بہت ترجیح دینی چاہیئے۔ کیونکہ نواب صاحب بڑے صالح اور پارسا ہیں۔ اور پھر قادیان جیسی جگہ کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ یہاں امن سے بیٹھے ہو۔ دنیا میں ایک آگ لگی ہوئی ہے اور ابھی معلوم نہیں کہ کیا ہوگا۔ ملک الموت قریب آرہا ہے۔ لیکن تم یہاں سنتے ہو۔ کہ خدا اپنا فضل کر رہا ہے۔ جب انسان دینی فوائد کو چھوڑ کر دنیوی فوائد کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ تو دنیوی فوائد بھی جاتے رہتے ہیں۔ اسلئے بُری مجالس سے توبہ کرو۔ اور جہاں ہماری تکذیب ہوتی ہو۔ وہاں سے اُٹھ جاؤ۔ ورنہ تم بھی اُنہیں میں سے سمجھے جاؤ گے۔ میری رائے میں تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ کہ تم اپنے اس ارادے پر نظر ثانی کرو۔" چنانچہ آپ کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہو کر شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے اپنا استعفا واپس لے لیا۔ اور نواب صاحب نے اسے دوبارہ ملازم رکھ لیا۔

شام کے وقت ایک ہندو نے اسلام قبول کرنا چاہا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ "مولوی صاحب (مولوی نورالدین صاحب) اسے مشرف باسلام کریں"۔ چنانچہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے ذیل کے الفاظ میں اُسے تلقین کی۔ اسلام کیا چیز ہے؟ تین باتوں کا نام اسلام ہے۔ اوّل جس نے پیدا کیا۔ اور جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے۔ اسکو ایک مانا جائے۔ اور اسکے سوا نہ کسی کو سجدہ کیا جائے۔ اور نہ اس کے سوا کسی کا روزہ رکھا جائے۔ اور نہ اسکے نام کے سوا کسی جانور کو ذبح کیا جائے۔ کیونکہ جانوں کا مالک وہی ہے۔ اور نہ اس کے سوا کسی کا طواف کیا جائے۔ اور کوئی خوف اور امید اس کے سوا کسی کا نہ کیا جائے۔ یہ تو لا الٰہ الا اللہ کے معنے ہیں۔ سارے دُکھ سارے سُکھ۔ سارے آرام اور ساری ضرورتوں کا پورا کرنا صرف اُسی کے اختیار میں ہے۔ اسلئے اپنی سب ضرورتوں کو اُسی کے حضور میں عرض کرنا چاہیئے۔ ان باتوں کو جب سچے دل سے مان لیں۔ تو اس کا نام اسلام ہے۔ اسکے لئے کسی ظاہری رسم اور اصطباغ (بپتسمہ) کی ضرورت نہیں۔ دوسرا زینہ یہ ہے۔ کہ محمد رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ کا نبی مانا جائے۔ وہ اسلئے دنیا میں بھیجے گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت اور تعریف

اور استنجی کریں۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھائیں۔ اسلئے دوسرا جزو اسلام کا محمد رسول اللہ ہے۔ رسول کے معنی ہیں۔ اللہ کا بھیجا ہوا۔ تیسری بات اسلام کی یہ ہے۔ کہ سب مخلوق کو سکھ پہنچانے کی کوشش کریں۔ یہ تو منہ سے کہنے اور ماننے کی باتیں ہیں۔ اور پھر یہ بھی ماننا چاہیئے۔ کہ خدا کے فرشتے حق ہیں۔ نبیوں اور کتابوں پر ایمان لائے اور اس بات پر کہ جو کچھ ہم کرینگے اس کا بدلہ پائینگے۔ اسکو جزا سزا کہتے ہیں۔ ان باتوں کے ماننے کے بعد ضروری ہے۔ کہ مسلمان نماز پڑھے۔ اور روزوں کے دن ہوں تو روزہ رکھے جب ۵۲ روپے جمع ہوں تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر غریبوں اور مسکینوں کی مدد کیلئے دے۔ پھر اور زیادہ طاقت اور مقدرت ہو۔ تو مکہ معظمہ جا کر خدا کی بندگی کرے۔ اصل اسلام دل سے مان لینے کا نام ہے۔ جو شخص سچے دل سے مان لیگا۔ وہ عمل بھی اسکے مطابق کرے گا۔ پس تم دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو مان لو۔ اسکے لئے نہ کسی رسم کی ضرورت ہے۔ اور نہ کسی اور چیز کی۔ البتہ نہا لینا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی چاہیئے۔ کہ اے اللہ اوپر سے تو ہم جسم کو دھوتے ہیں اور جسم کے اندر سے تو گندگیوں کو دھو دے۔ پھر کپڑے بدل لے اور کوشش کرے کہ اب سستی نہ کرونگا۔" بعد ازاں حضرت مسیح موعود کی تجویز کے مطابق اس کا نام عبداللہ رکھا گیا (الحکم جلد ۶ ص ۲۱)۔

جون ۱۹۰۲ء محمد سراج الحق صاحب نعمانی نے حضرت مسیح موعودؑ کے حضور کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف کے معانی کے بارے میں عرض کیا۔ کہ اس کے معانی میں صوفیائے اور دیگر علمائے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن وہ چنداں تسلی بخش نہیں۔ اسلئے آپ کے نزدیک اس کے صحیح معنے کیا ہیں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ آسان معنے اس کے یہی ہیں۔ کہ جب دنیا میں ضلالت اور گمراہی اور کفر و شرک اور بدعات و رسومات مخترعات پھیل جاتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کی راہیں گم ہو جاتی ہیں۔ اور لوگوں کے دل سخت اور خشیت اللہ سے خالی ہو جاتے ہیں۔ تو ایسے وقت اور ایسے زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک مخفی خزانہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ کہ وہ پھر دنیا میں ظاہر ہو۔ اور دنیا اُسے پہچانے۔ تو وہ اپنے کسی بندے کو اپنے مقرب بندوں میں سے چن کر اُسے خلعت

خلافت عطا فرماتا ہے۔ اور اسکے ذریعہ سے وہ دوبارہ دنیا میں شناخت کیا جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ لوگوں کے خالی دلوں میں از سر نو اسکی محبت بھر دیتا اور اسکی معرفت کے اسرار اُن پر ظاہر کر دیتا ہے۔ شروع آفرینش دنیا سے اللہ تعالیٰ کی یہی سنت اور طریق رہا ہے۔ اور بالآخر ہمارے زمانہ میں بھی جبکہ لوگ اسکی معرفت کو کھو بیٹھے اور اُس کی صفات میں اپنی طرف سے کچھ کا کچھ تصرف کر دیا۔ اسماء الٰہی سے غافل ہو گئے۔ اسکی کتابوں اور پاک صحیفوں کو ترک کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ندا اور شریک بنائے۔ پس وہ مخفی خزانہ کی طرح ہو گیا۔ اس وقت اُس نے ہمیں اپنی معرفت اور محبت دیکر بھیجا۔ تاکہ دنیا کو راہ راست پر قائم کیا جائے۔ اسلئے ہم تحریر۔ تقریر۔ توجہ۔ دعا۔ اپنے چال چلن۔ پُر ہیبت پیشگوئیوں اور اسرار غیب اور معارف و حقایق قرآنی سے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا کئے ہیں۔ رات دن دنیا کی اصلاح میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ہم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے سب کاروبار اور اعضاء مثلاً ہاتھ زبان اور ہر ایک حرکت و سکون کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ اور جس طرح اسکی مرضی ہوتی ہے۔ وہ ہمیں چلاتا ہے۔ اور ہم اُسی کے مطابق چلتے ہیں۔ ہمارا اس میں کچھ بھی اختیار نہیں ؎

خود کنی اور خود کنانی کار را
خود دہی رونق تو آں بازار را
بر کسے چوں مہربانی مے کنی
از زمینے آسمانے مے کنی

جب آپ نے کتاب نور الحق عربی میں لکھنے کا ارادہ کیا۔ تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد آپ پر الہام نازل ہوا۔ ان کنتم فی ریب مما ایدنا عبدنا فاتوا بکتاب من مثلہ۔ یہ وحی آپ نے اُسی وقت سب حاضر احباب کو سنادی اور بشارت دی کہ اس کتاب کی مثل کوئی مخالف پیش نہ کر سکیگا۔ خواہ وہ اپنے ساتھ دنیا کو ملا لے

حضرت مسیح موعودؑ نے بارہا فرمایا کہ "عبادت مفروضہ کے بعد سب سے بڑھکر عبادت اور وظیفہ یہی ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی اور ہدایت کیلئے کمربستہ ہو کر کھڑا ہو جائے۔ خواہ تقریر سے یہ کام کرے خواہ تحریر سے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا

یہی منشا اور اسکی مرضی اسی میں پائی جاتی ہے۔ یاد رکھو۔ کہ مخالفوں کے بے معنی اشتہار اور رسائیل مٹا دیئے جائیں گے۔ اور یہ مبارک سلسلہ باقی رہ جائیگا۔ (الحکم جلد ۶ ۲۳)

۱۴ جون ۱۹۰۲ء حضرت مسیح موعود کی مجلس میں مُردوں کے دوبارہ زندہ ہو جانیکا تذکرہ ہوا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ:۔

"ہم خدا تعالیٰ کے اُسی قانون قدرت کو مانتے ہیں۔ جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ جو مُردے ایسے ہیں۔ کہ قبر میں رکھے جاتے ہیں۔ اور اُن کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اُن کے بارے میں قرآن شریف کا یہی فتویٰ ہے۔ فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت۔ لیکن دوسرے رنگ میں غیر حقیقی موت میں احیاء بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات خود ہمارے ساتھ بھی کئی بار پیش آئے ہیں۔ جیسا کہ مبارک احمد کے متعلق۔ اس قسم کی غیر حقیقی موتیں فیمسک التی قضیٰ علیھا الموت میں سے نہیں اور یہی احیاء ہے۔ جس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔ کہ مُردے جی اُٹھتے ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنا جو قانون قرآن شریف میں باندھ دیا ہے۔ ہم اُسے مانتے ہیں۔ اور اگر اس پر اعتبار نہ کریں۔ اور یقین نہ لائیں۔ تو ایمان اُٹھ جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اُس قانون قدرت پر جو کتاب اللہ میں درج ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔ اور ہم اس بات پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کے خلاف نہیں کیا کرتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہدے کہ اللہ تعالیٰ اگر قادر ہے۔ تو کیا وہ خود کشی بھی کر لیتا ہے؟ ہم اس کے جواب میں یہی کہیں گے۔ کہ کبھی نہیں۔ کیونکہ لہ الاسماء الحسنیٰ کے خلاف کوئی صفت اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی صفات محمودہ قدیمہ کے خلاف نہیں کیا کرتا۔ غرض احیاء موتیٰ اور قانون قدرت کے متعلق ہمارا یہی مذہب ہے۔ کہ ہم صرف اس کے قائل ہیں۔ جسے قرآن شریف نے بیان فرمایا ہے۔ اور وہی قانون قدرت ہمارا امام ہے۔ جو قرآن شریف سے ثابت ہے۔ یورپ کا فلسفہ اور اسکی محدود تحقیقاتیں ہمارے لئے رہبر نہیں ہو سکتیں (الحکم جلد ۶ ۲۴)

اپنے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ:۔

ہم اپنے خدا تعالیٰ پر اس بات کا قوی ایمان رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنے صادق بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اگر ایک صادق بندہ آگ میں بھی ڈال دیا جائے

تو وہ آگ اُسے جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے۔ کہ ایک آگ نہیں اگر ہزار آگ بھی ہو تو صادق کو جلا نہیں سکتی۔ اور صادق اگر اس میں ڈالا جائے تو وہ ضرور بچ جاویگا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلہ میں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ آگ میں ڈالدیا جائے۔ تو ہمارا یقین ہے۔ کہ وہ ہمیں ہرگز جلا نہیں سکیگی۔ اور اگر شیروں کے پنجرے میں بھی ڈالدیا جائے تو وہ ہرگز کھا نہ سکینگے۔ میں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق بندے کی مدد نہ کر سکے۔ بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے۔ جو اپنے صادق بندوں اور ان کے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دعا بھی ایک فضول شے ہو جائے میں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ میں خدا تعالیٰ کے بارہ میں بیان کرتا ہوں۔ اسکی قدرتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ در کروڑ درجے بڑھکر ہیں۔ جن کو ہم بیان ہی نہیں کر سکتے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرتؐ کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے۔ تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپؐ کو جلا نہ سکتی۔ اگر کوئی شخص محض اس بنا پر کہ آگ اپنی فطرتی تاثیر نہیں چھوڑ اکرتی اس بات کا انکار کرے تو ایسا منکر خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے سب دشمنوں کو مخاطب کر کے کہدیا۔ فکیدونی جمیعاً یعنی تم سب مکر کر کے دیکھ لو کہ میں اسے ضرور بچالوں گا۔ پھر اگر کوئی شخص ایسا وہم بھی کرے کہ اگر وہ لوگ آپؐ کو آگ میں ڈالتے تو معاذ اللہ آپؐ جل جاتے۔ یہ کفر ہے۔ قرآن شریف اور اللہ تعالیٰ کے سب وعدے سچے ہیں۔ اگر قریش مکہ کوئی بھی حیلہ اور فریب آپؐ کی جان لینے کیلئے کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور آپؐ کو اُن کے گزند سے محفوظ رکھتا۔ جیسا کہ اُس نے محفوظ رکھ کر دکھا دیا۔ خواہ وہ آپؐ کو صلیب دینے کا مکر کرتے۔ خواہ آگ میں ڈالنے کا۔ غرض کوئی بھی کرتے۔ آخر کار حضرت نبی کریمؐ خدا تعالیٰ کے وعدوں کے موافق صادق ثابت ہوتے۔ جیسا کہ ہوئے۔ جس طرف ہم اپنی جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں۔ وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خدا شناسی کا ہے۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں۔ کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ یہ سب ہو جائیگا۔

اپنے تبلیغی جوش کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

یورپ اور دوسرے ملکوں میں ہم ایک اشتہار شائع کرنا چاہتے ہیں۔ جو بہت ہی مختصر ایک چھوٹے سے صفحہ کا ہو۔ تاکہ عام و خاص اسے پڑھ لیں۔ اس کا مضمون صرف

انتہا ہی ہو۔ کہ مسیح کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے۔ جو واقعات صحیحہ کی بنا پر اصلی ثابت ہو گئی ہے اسکے متعلق مزید حالات اور واقفیت اگر کوئی شخص معلوم کرنا چاہے تو ہم سے کرلے۔ اس مضمون کا اشتہار ہو۔ جو بہت کثرت سے چھپوا کر شائع کیا جائے۔

پان۔ حقہ وغیرہ کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

حدیث میں آیا ہے ومن حسن الاسلام ترک مالا یعنیہ۔ یعنی اسلام کا حسن یہ بھی ہے۔ کہ جو چیز ضروری نہ ہو۔ وہ ترک کردی جائے۔ اسی طرح پر یہ پان حقہ زردہ (تمباکو) افیون وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں۔ بڑی سادگی یہ ہے۔ کہ ان چیزوں سے پرہیز کی جائے۔ کیونکہ اگر بالفرض محال ان کا اور کوئی بھی نقصان نہ ہو۔ تو بھی اس سے ابتلا آجاتے ہیں۔ اور انسان مشکلات میں پھنس جاتا ہے۔ مثلاً قید ہو جائے۔ تو روٹی تو ملیگی۔ لیکن بھنگ چرس یا دیگر منشی اشیاء نہیں ملینگی۔ یا اگر قید نہ ہو۔ اور کسی دوسری ایسی ہی جگہ جانے کا اتفاق ہو۔ جو قید کے ہی قائمقام ہو تو پھر بھی مشکلات پیدا ہو جائینگی اپنی عمدہ صحت کو کسی بیہودہ سہارے سے کبھی ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔ شریعت نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ کہ جملہ مضر صحت اشیاء کو مضر ایمان قرار دیا ہے۔ اور ان سب کی سردار شراب ہے۔ یہ سچی بات ہے۔ کہ منشی اشیاء کے استعمال اور تقویٰ میں عداوت ہے۔ افیون کا نقصان بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ طبی طور پر یہ شراب سے بھی بڑھکر ہے۔ اور جسقدر قویٰ لیکر انسان اس دنیا میں آیا ہے۔ وہ انہیں ضائع کردیتی ہے۔

عصائے موسیٰ کے مصنف کے اعتراضات و مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے بارے میں فرمایا کہ:۔

منشی الٰہی بخش (مصنف کتاب عصائے موسیٰ) اور اس کے دوسرے رفیق مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ میں کیوں بید مشک اور کیوڑہ کا استعمال کرتا ہوں۔ یا اور اسی قسم کی اور یہ وغیرہ کھاتا ہوں۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ مجھ پر حلال اور طیب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ کچھ غور کرتے اور مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کی حالت پر کچھ نظر رکھتے۔ تو میرا ان سے مقابلہ کرتے ہوئے انہیں شرم آجانی چاہیئے تھی مولوی عبداللہ صاحب کو بیویوں کا استغراق تھا۔ اسلئے وہ انڈے اور مرغ وغیرہ مقوی اشیاء کثرت سے کھایا کرتے تھے۔ اور اسی لئے آخری عمر میں بھی شادی کرنا چاہتے تھے۔

برخلاف اسکے میرے لئے اس بات کی شہادت مل سکتی ہے۔ کہ میں کب اور کس وقت کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں۔ میں صرف اسی وقت کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں جبکہ مجھے دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے۔ یا جب کہ دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے۔ کہ بجز ایسے مواقعہ کے مجھے کبھی ان اشیاء کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑی جب بیٹھے بیٹھے بہت محنت کرنے سے دل اور دماغ پر ان بیماریوں کا اثر غالب ہوجاتا ہے۔ اور یکبارگی دورہ ہوجاتا ہے۔ اور بعض وقت تو غشی کے قریب حالت ہوجاتی ہے۔ اسوقت مجبوراً علاج کے طور پر ان اشیاء کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اور انہیں بیماریوں کی وجہ سے میں ہر روز باہر سیر کیلئے جایا کرتا ہوں۔ برخلاف اس کے مولوی عبداللہ صاحب جو کچھ مقوی اغذیہ یعنی مُرغ۔ انگور۔ انڈے وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ اسکی وجہ کثرت ازدواجی تھی۔ دوسرا اور کوئی سبب نہ تھا۔ انبیاء ان اشیاء کو استعمال کرتے تھے۔ لیکن وہ خدا کی راہ میں فداشدہ تھے۔ آنحضرتؐ جب کبھی گھبرا جایا کرتے تھے۔ تو حضرت عائشہؓ کی ران پر ہاتھ مار کر فرماتے اے عائشہؓ ہم کو راحت پہنچا۔ آنحضرتؐ کا تو سارا جہان دشمن تھا۔ پھر اگر آپؐ کیلئے کوئی بھی راحت کا سامان نہ ہوتا۔ تو یہ خدا کی شان کے خلاف ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہوا کرتی ہے۔ کہ تکالیف کے ساتھ کچھ آسائش کے سامان بھی مہیا کر دیا کرتا ہے جیسا کہ ہم لوگ کافور کے ساتھ دو چار سیاہ مرچیں رکھدیا کرتے ہیں کہ وہ اُڑ نہ جائے۔

عوٰنی مسیح و مہدی کے تذکرہ کے دوران میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ جو احکام نازل کیا کرتا ہے۔ وہ انسان کی تعلیم اور تربیت کیلئے کرتا ہے چونکہ شوکت کا زمانہ دیر تک رہتا ہے۔ اسلئے بعض وقت حکومت کے نشہ میں بعض اہم قوانین الٰہیہ کو بھولجایا کرتے ہیں۔ اسلام کی قوت اور شوکت صدیوں تک رہی اور دور دراز مقامات تک اسکی فتوحات پہنچ گئیں۔ اسلئے بعض احمقوں نے سمجھ لیا۔ کہ اسلام جبر سے پھیلایا گیا ہے۔ حالانکہ اسلام کی صاف تعلیم یہ ہے کہ لا اکراہ فی الدین اس امر کی صداقت کو ظاہر کرنے کیلئے کہ اسلام ہرگز جبر سے نہیں پھیلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم الخلفاء کو پیدا کیا۔ اور اس کا کام یضع الحرب رکھ کر دوسری طرف اسکے لئے فرمایا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ یعنی وہ اسلام کا غلبہ ملل باطلہ پر حجت اور

براہین سے قایم کریگا۔ اور جنگ وجدال کو اُٹھا دیگا۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو کسی خونی مہدی اور خونی مسیح کا انتظار کر رہے ہیں۔

اسلام کے معجزات کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

اسلام کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ جسکی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ وہ اسکی حقانیت اور روشنی ہے۔ اور وہ کسی پہلو سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ تمام حقائق اور صداقتیں اسلام میں موجود ہیں۔ مخالفین کے حملوں کا ہر ایک پہلو سے کامل جواب دیتا ہے۔ اور باطل مذاہب پر ایسا کاری حملہ کرتا ہے۔ جس کا کچھ جواب نہیں ہو سکتا۔

درازی عمر کے راز کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اسکی عمر لمبی ہو۔ لیکن بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں۔ جنہوں نے کبھی اس اصول اور طریق پر غور کی ہو۔ جس سے انسان کی عمر دراز ہو سکتی ہے۔ اس بارہ میں قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض یعنی جو نفع رسان وجود ہوتے ہیں۔ اُنکی عمر دراز ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے درازئ عمر کا وعدہ فرمایا ہے۔ جو دوسرے لوگوں کے لئے نفع رسان ہیں۔ گو شریعت کے دو پہلو ہیں۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی عبادت۔ دوم مخلوق خدا سے ہمدردی۔ لیکن آیت متذکرہ بالا میں دوسرا پہلو اس لئے اختیار فرمایا ہے کہ کامل عابد وہی شخص ہوتا ہے۔ جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اوّل مرتبہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے۔ اس میں بھی انسان کا فرض ہے۔ کہ دوسروں کو نفع پہنچائے اور اسکی بہتر صورت یہ ہے۔ کہ بنی نوع کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت پیدا کرنے اور اسکی توحید پر قائم ہونیکی ہدایت کرتا رہے۔ جیسا کہ آیت وتواصوا بالحق سے پایا جاتا ہے۔ بعض وقت ایسا ہوتا ہے۔ کہ انسان خود تو ایک امر کو سمجھ لیتا ہے۔ لیکن وہ دوسروں کو اس کے سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اسے چاہیئے کہ محنت اور کوشش کرکے دوسروں کو بھی سمجھائے اور فائدہ پہنچائے۔ ہمدردی خلائق یہی ہے۔ کہ محنت کرکے اپنا دماغ خرچ کرکے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے۔ تاکہ اسکی عمر دراز ہو۔ اما ما ینفع الناس کے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے۔ جو دراصل اس وسوسہ کا جواب ہے۔ کہ ایک عابد کے مقابل

کیوں اس شخص کی عمر دراز ہوتی ہے۔ جو لوگوں کیلئے نفع رسان ہو۔ گو جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ کامل عابد وہی ہو سکتا ہے جو دوسروں کیلئے فائدہ رساں ہو۔ لیکن اس آیت میں اور بھی صراحت کر دیگئی ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے قل ما یعبأ بکم ربی لولا دعاءکم۔ یعنی ان لوگوں کو کہدو کہ اگر تم رب کو نہ پکارو۔ تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں اس کا ترجمہ یوں بھی کر سکتے ہیں۔ کہ وہ سچے عابد کی ضرور پرواہ کرتا ہے۔ ایسے عابد زاہد جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بنوں اور جنگلوں میں تارک الدنیا ہو کر جا رہتے تھے۔ ہمارے نزدیک وہ کمزور اور بودے تھے ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اس حد تک پہنچ جائے کہ اُسے اللہ اور اس کے رسول کی کامل معرفت حاصل ہو جائے۔ وہ کبھی خاموش ہی نہیں رہ سکتا۔ وہ معرفت کے ذوق اور لذت سے سرشار ہو کر دوسرے لوگوں کو اُس سے آگاہ کرنیکی کوشش کرتا ہے۔

یقین کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

یقین ایک ایسی شے ہے کہ جو انسان کو ایک بڑی بھاری قوت اور شجاعت عطا کرتا ہے۔ یقین معلومات سے بڑھتا ہے۔ اور جب معلومات وسیع ہوں تو قوت یقین کے زور سے ایک ماتحت شخص بھی اپنے افسر اعلیٰ کے روبرو اپنے مقاصد کے بیان کرنے سے نہیں جھجکتا۔ لیکن اگر معلومات کم ہوں۔ تو یقین میں بھی ایک قسم کی کمزوری ہو جاتی ہے۔ اور پھر خواہ خود ہی افسر کیوں نہ ہو اُسے دوسروں سے دبنا پڑتا ہے۔ یہ بالکل صحیح بات ہے۔ کہ زندگی اور طاقت تب پیدا ہوتی ہے جبکہ پورا علم ہو۔ اور پورے علم کی موجودگی میں انسان اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالتا ہوا بھی پرواہ نہیں کرتا جس طرح کہ صحابہؓ کا حال تھا کہ وہ یقین اور معرفت کے نور سے بھرپور ہو کر اپنے دلوں میں ایک قوت اور شجاعت رکھتے تھے۔ بادشاہوں کے سامنے وہ نہایت دلیری سے جا بولتے تھے۔ خوب یاد رکھو کہ یقین ایک ایسی چیز ہے۔ جو انسان کیلئے موت کو بھی آسان کر دیتا ہے۔ اسی لئے اسلام کی سچائی کے یقین پر شہادت کی موت ایک مسلمان کیلئے نہایت سہل اور آسان بات ہو جاتی ہے۔ اگر ایک سچے مسلمان کو اس کے ایمان کے سبب سے قتل کی دھمکی دی جائے تو وہ ایمان کے مقابل پر قتل ہو جانے کو سہل سمجھیگا کیونکہ یقین ایک روحانی مسکن ہے۔ شہادت کی موت والا دنیا اور اس کے طول امل کو

طاق پر رکھ دیتا ہے۔

غرض کہ انسان کو یقین کے حصول کیلئے سخت کوشش کرنی چاہیئے۔ پیشتر اسکے کہ وہ فلسفہ اور طبعیات میں ترقی کرے ؎

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

جس شخص نے حکمت ایمان نہیں پڑھی وہ گویا مردہ پرست ہی رہا۔

انسان کی غفلت کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

جُوں جُوں انسان بڈھا ہوتا جاتا ہے۔ دین کی طرف سے بے پرواہی اختیار کرتا جاتا ہے۔ موت کو دُور سمجھنا نفس کا دھوکہ اور سخت غلطی ہے۔ خوب یاد رکھو کہ موت ایک ایسا ضروری امر ہے کہ جس سے کسی صورت سے بھی انسان بچ نہیں سکتا۔ اور وہ قریب سے قریب ہے۔ ہر نیا دن انسان کو موت کے قریب کرتا جاتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض آدمی اوایل عمر میں نہایت نرم دل تھے۔ لیکن اپنی آخری عمر میں سخت دل ہو گئے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اسلئے کہ نفس دھوکہ دیتا ہے۔ کہ موت ابھی بہت دُور ہے۔ حالانکہ وہ بہت قریب ہوتی ہے۔ موت کو ہمیشہ بہت قریب سمجھو۔ تاکہ گناہوں سے بچو۔

اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ انسان اگر اخلاص لیکر سچے دل سے اسکی طرف رجوع کرے۔ تو وہ غفورٌ رحیم اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ کس کس گنہ گار کو بخشیگا۔ اُس کے حضور سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ یاد رکھو کہ اسکی رحمت کے خزانے وسیع اور لاانتہا ہیں۔ اُس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ اسکی رحمت کے دروازے کبھی کسی پر بند نہیں ہوتے۔ انگریزوں کی ملازمتوں کی طرح نہیں اس قدر تعلیمیافتہ لوگوں کو کہاں سے نوکریاں ملینگی؟ جتنے بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچینگے۔ سب کے سب اعلیٰ مدارج پائینگے۔ اور یہ یقینی وعدہ ہے۔ وہ انسان بڑا ہی بدبخت اور بدقسمت ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو جائے۔ اور اسکی نزع کا وقت اس پر غفلت کی حالت میں آجائے۔ بیشک اس وقت یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ (جلد ۱ ص ۲۴)۔

جولائی ۱۹۰۲ء۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

عیسائی مذہب میں خلوت زیادہ تھی۔ اور موسوی مذہب میں جلوت۔ اسلام چونکہ ان ہر دو مذاہب کا جامع تھا۔ اُس نے دست بکار دل بہ یار پر عمل کیا۔ جو قوتیں اللہ تعالیٰ نے انسان میں رکھی ہیں۔ اُنہیں اپنے محل اور موقعہ پر استعمال کرو۔ اُنہیں ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور جس قوت میں حرکت اور جوش نہ ہو۔ اُسے خواہ مخواہ جوش میں مت لاؤ۔ ایسی خلوت کہ جس کے باعث نہ تو بیماروں کی عیادت کرے اور نہ کسی کے جنازہ میں شریک ہو۔ اور اپنے آپ کو بہت سی نیکیوں اور خوبیوں سے محروم کر دے۔ کسی حالت میں بھی مفید اور نیکی کا کام نہیں کہلا سکتی۔ خوب یاد رکھو کہ نیکی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو تجرید سے ملتی ہے۔ اور دوسری قسم کی دوسرے لوگوں کے ساتھ خلا ملا رکھنے سے میسّر آتی ہے اسلئے جو شخص محض تجرید کو ہی اختیار کر لیتا ہے۔ وہ نیکی کی دوسری قسم کو بالکل ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّت محمدیہ کا نام اُمّۃ وسطاً رکھا ہے۔ یعنی نہ اس میں افراط ہے نہ تفریط۔ امم سابقہ میں یا تو افراط تھی یا تفریط۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں تشدّد انتقام تھا۔ اسکے خلاف مذہب عیسوی میں عفو پر زور دیا گیا۔ یعنی اگر عفو نہ کریں۔ تو گنہگار بنیں۔ لیکن اسلام نے موقعہ اور محل شناسی کی تعلیم دی۔ اور ہر دو کو اپنے پاس جمع کر دیا۔ اگر سزا کے ذریعہ سے اصلاح ہو سکتی ہو۔ تو سزا قائم رکھی۔ اور اگر عفو سے اصلاح ممکن ہو۔ تو عفو سے کام لیا۔ اس تعلیم میں رحمت اور ہیبت ہر دو پائی جاتی ہیں۔ صفات الٰہی میں ہر دو کا نمونہ نظر آتا ہے۔ کبھی جلالی رنگ ہوتا ہے تو کسی وقت جمالی دیکھ لو۔ کسی وقت بارشیں ہوتی ہیں۔ تو دوسرے وقت قحط اور امساک باراں۔ انسان کامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ تخلقوا باخلاق اللہ پر اس کا عمل نہ ہو۔ اللہ کی صفات کی طرف بھی غور کرنے سے ہمیں دونوں قسم کی صفات کا جلوہ نظر آتا ہے۔ یعنی نرمی اور سختی کا۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے۔ کہ خلوت و جلوت کا جامع ہو۔ اور جلال و جمال کا مظہر۔

علم کے حصول کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

حدیث میں لکھا ہے کہ طلب العلم فریضۃ۔ جس میں جملہ امور آجاتے ہیں۔ جہالت ایک قسم کی موت ہے۔ اس سے انسان تب ہی بچ سکتا ہے۔ جبکہ سچے علوم کو حاصل کرے۔ انبیاء کے انکار کی بڑی وجہ جہالت اور عدم واقفیت ہے۔ ہم بھی

اس زمانہ میں کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے ہیں۔ وہ لوگوں کی طبائع پر گراں گذرتا ہے اور عدم واقفیت اور جہالت کے سبب سے کوئی ہیں کافر کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ انبیاء کے زمانہ میں بھی یہی ہوتا رہا ہے۔ اسلئے میں بھی کہتا ہوں کہ طلب العلم فریضۃ کیونکہ علم کے سبب سے غفلت دُور ہوتی ہے۔ اور حقایق کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ جب انسانوں میں غفلت آجائے۔ تو اس سے انکار پیدا ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ لغزش ہمیشہ نادان کو آتی ہے۔ شیطان کو جو لغزش آئی وہ علم کی وجہ سے نہیں بلکہ نادانی سے آئی۔ اگر وہ علم میں کمال رکھتا تو اُسے لغزش نہ آتی۔ قرآن شریف میں علم کی مذمت نہیں بلکہ فرمایا انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اس کے مقابل نیم ملاں خطرہ ایمان مشہور مثل ہے۔ پس میرے مخالفوں کو بھی علم نے ہلاک نہیں کیا بلکہ جہالت نے۔ حضرت نبی کریمؐ کو حکم ہوتا ہے۔ قل رب زدنی علماً۔ پس اگر علم کوئی معمولی اور حقیر سی چیز ہوتی تو یہ دعا آپؐ کو تعلیم نہ کی جاتی۔ پھر اور جگہ فرمایا من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً۔ غرض ساری سعادتیں علم صحیح کی تحصیل میں ہیں۔ جس قدر لوگ مسلمانوں سے نصرانی ہو گئے ہیں وہ محض جہالت کے سبب سے ہوئے ہیں۔ اگر انہیں علم کامل ہوتا تو وہ ایک انسان کو خدا نہ بناتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جہنمی لوگ قیامت کے دن کہیں گے لوکنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر۔ یعنی جو لوگ کہتے ہیں کہ العلم حجاب الاکبر یہ محض غلط ہے بلکہ الجہل حجاب الاکبر۔ علم نور ہے وہ حجاب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جہالت حجاب الاکبر ہے۔ خدا کا نام علیم ہے اور پھر قرآن میں آیا ہے الرحمٰن علم القرآن اسی لئے ملائکہ نے کہا لا علم لنا الا ما علمتنا۔ مختصر آیہ کہ خوب یاد رکھو کہ ساری زہریں نادانی میں ہیں۔ جہالت سچ مچ ایک موت ہے۔ تمام اطباء اور ڈاکٹر اور دوسرے لوگ جو غلطی کھاتے ہیں۔ وہ قصور علم کی وجہ سے کھاتے ہیں۔ انبیاء علم لیکر آتے ہیں۔ جب دنیا میں ظلمت چھا جاتی ہے۔ اور مخلوق شیطان بنجاتی ہے۔ اور خدا سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ تو اس وقت خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو تجدید کیلئے بھیجتا ہے (الحکم جلد ۶ ۲۵)

جولائی ۱۹۰۲ء موت کے بارے میں ایک دن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ موت سے نہیں ڈرنا چاہیئے۔ لیکن خدا کے غضب سے بچنا چاہیئے کیونکہ موت تو بہر حال آنے والی ہے کسی شخص کی موت نہیں ٹلتی۔ لیکن جو لوگ خدا کے دین کے

خادم ہوں۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ چاہتے ہوں۔ ان کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی زندگی کا مدعا صرف کھانے پینے تک ہی محدود سمجھتے ہیں۔ اُن کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار نہیں موت مومن کیلئے خوشی کا موجب ہے۔ کیونکہ وہ ایک مرکب ہے۔ جو دوست کو دوست کے پاس پہنچاتی ہے۔ (الحکم جلد ۶ ص۲۵)۔

جولائی ۱۹۰۲ء عبادات کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ عبادت کے دو حصے تھے۔ ایک یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لیجاتا ہے۔ اور اسکی روح گداز ہو کر الوہیت کی طرف بہتی ہے۔ اور عبودیت کا حقیقی رنگ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔ دوسرا حصہ عبادت کا یہ ہے۔ کہ انسان خدا سے محبت کرے۔ جیسا کہ محبت کرنے کا حق ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں فرمایا والذین امنوا اشد حباً للہ۔ اور دنیا کی ساری محبتوں کو فانی اور آنی سمجھ کر حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دیا جائے۔ یہ دو حق ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں ہر ایک انسان سے چاہتا ہے۔ ان ہر دو حقوق کی ادائیگی کیلئے یوں تو ہر قسم کی عبادت اپنے اندر ایک رنگ رکھتی ہے۔ لیکن اسلام نے انکی ادائیگی کیلئے دو مخصوص صورتیں عبادات کی مقرر کر رکھی ہیں۔ خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں۔ کہ بظاہر اُن کا ایک جگہ جمع ہونا محال نظر آتا ہے۔ کیونکہ ایک شخص اگر ایک چیز سے خوف کرے تو اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے۔ لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت بالکل جداگانہ رنگ رکھتے ہیں۔ یعنی جسقدر انسان اللہ تعالیٰ سے خوف کریگا۔ اُسی قدر اُس میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائیگی۔ اور جسقدر وہ محبت الٰہی میں ترقی کریگا اُسی قدر اُس پر اللہ تعالیٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور برائیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لیجائیگا۔ پس اسلام نے ان ہر دو حقوق کے پورا کرنے کے لئے ایک صورت نماز کی رکھی ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ کے خوف کا پہلو رکھا ہے۔ اور محبت کے اظہار کے لئے حج کی عبادت رکھی ہے۔ خوف کے جس قدر بھی ارکان ہو سکتے ہیں۔ اُن کو نماز کے ارکان کے اندر جمع کر دیا ہے۔ جس میں ہر قسم کا تذلل اور اقرار عبودیت موجود ہے۔ اسی طرح حج میں محبت کے جملہ ارکان موجود ہیں بعض وقت شدت محبت کی حالت میں انسان کو کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ عشق بھی

ایک قسم کا جنون ہوتا ہے۔ کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔ سیالکوٹ کا واقعہ ہے۔ کہ وہاں کی ایک عورت ایک درزی پر عاشق تھی۔ اُسے لوگ بہتیرا پکڑ پکڑ کر رکھتے تھے۔ لیکن وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر چلی جاتی تھی۔ غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کے لباس میں ہوتا ہے۔ وہ حج میں موجود ہے۔ سر منڈایا جاتا ہے۔ دوڑا جاتا ہے۔ محبت کا بوسہ رہ گیا۔ وہ بھی موجود ہے۔ جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے۔ پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ گویا اسلام نے ان حقوق کی تکمیل پر پورے زور سے تعلیم دی ہے۔ نادان ہے وہ شخص جو اپنی نابینائی کی وجہ سے اسلام پر اعتراض کرتا ہے۔ (الحکم جلد ۵ ۲)

جولائی سنہ ۱۹۰۲ء

انبیاء کی بعثت کی غرض کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:-

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ الٰہ تعالےٰ پر ایمان پیدا کریں۔ جس کے ذریعے سے اعمال صالحہ کی قوت عطا ہوتی ہے اور گناہ سوز فطرت پیدا ہوتی ہے کیونکہ اعمال صالحہ کبھی صادر نہیں ہو سکتے جبتک کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان اور اُسکی معرفت نصیب نہ ہو۔ ہر ایک عمل ہمیشہ معرفت صحیحہ و عرفان کامل کے بعد ہی اعمال صالحہ کی مد میں آتا ہے۔ عموماً لوگ جو کچھ اعمال صالحہ کرتے یا صدقہ و خیرات دیتے ہیں۔ وہ صرف ایک رسم اور عادت کے طور پر کرتے ہیں۔ وہ اُس معرفت کا نتیجہ نہیں ہوتے جو ایمان باللہ کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ دنیا کی نیکیاں اور ظاہری اعمال صالحہ صرف ایک رسم و عادت کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور لوگ خدا شناسی اور خدا رسی کے مقامات سے دور ہوتے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے انبیاء کو مبعوث فرما کر ایمان باللہ کی اصل حقیقت سے اُن کو آگاہ فرماتا ہے۔ باقی تمام امور اسی ایمان کے نتائج ہوتے ہیں۔ اِس لئے خوب یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ اصل غرض انبیاء کی بعثت کی یہی ہوتی ہے۔ کہ وہ انسان کو اس کی زندگی کے اصل منشاء عبودیت تامہ سے آگاہ کر دیں۔ اور الٰہ تعالےٰ پر عرفان بخش ایمان لانے کی تعلیم دیں۔ انبیاء تھوڑے ہوتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر ضرورت حقہ کے وقت آیا کرتے ہیں۔ اس لئے الٰہ تعالےٰ نے تمام دنیا کو رسم اور عادت سے نجات دینے اور سچا اخلاص اور ایمان حاصل کرنے کی یہ راہ بتائی ہے۔ کہ کونوا مع الصادقین۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ اور اس کو کبھی بھی نہ بھولنا چاہیئے۔ کہ جس شخص نے نبی کی اطاعت کی۔ اُس نے الٰہ تعالےٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا۔ رسم اور عادت کی غلامی سے انسان اُسی وقت نکل سکتا ہے۔ جبکہ وہ ایک عرصہ دراز تک صادقوں کی

صحبت میں رہے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلے۔

نفع رسان شخص کی عمر درازی کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ:۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض حقیقت یہی ہے۔ کہ جو شخص دنیا کیلئے نفع رسان ہو۔ اسکی عمر دراز کی جاتی ہے اس کے بارے میں جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت نبی کریمؐ کی عمر چھوٹی تھی۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اوّل تو اسلئے کہ انسانی زندگی کا اصل منشاء اور مقصد آنحضرتؐ نے کما حقہٗ حاصل کر لیا تھا۔ اور آپ دنیا میں اس وقت آئے۔ جب کہ حالت زمانہ یا طبع ایک مصلح کو چاہتی تھی۔ اور پھر آپؐ اس دنیا سے اس وقت رخصت ہوئے۔ جبکہ آپنے اپنی رسالت میں پوری پوری کامیابی حاصل کر لی۔ الیوم اکملت لکم دینکم کی صدا کسی دوسرے شخص کو نہیں آئی۔ حضرت نبی کریمؐ نے اذا جاء نصر اللہ والفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجاً کے مطابق پوری پوری کامیابی کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب ایسی حالت میں کہ حضرت نبی کریمؐ پورے طور پر کامیابی کیساتھ اس دنیا سے اُٹھے۔ یہ کہنا کہ آپؐ کی عمر تھوڑی تھی۔ سخت غلطی ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ آپؐ کے برکات اور فیوض ابدی ہیں۔ اور ہر زمانہ میں آپؐ کے فیوض کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اسی لئے آپؐ کو زندہ نبی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حقیقی حیات آپؐ کو ہی حاصل ہے جسکی حیات سے دوسروں کو زندگی ملتی ہے۔ طول عمر کا جو مقصد تھا وہ آپؐ کو حاصل ہو گیا ہوا تھا۔ اور بباعث زندہ نبی ہونے کے اس آیت کے مطابق آپ ابدالاباد کے لئے زندہ ہیں۔

حضرت مسیحؑ کی وفات کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

حضرت مسیح کی وفات پر دو زبردست گواہیاں علاوہ دیگر گواہوں کی شہادت کے موجود ہیں۔ جن کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی شہادت جس نے کلام مجید میں یا عیسیٰ انی متوفیک و رافعک الیّ فرمایا ہے۔ اور پھر دوسری حضرت نبی کریمؐ کی روایت کی شہادت کہ آپؐ نے معراج کی رات حضرت مسیحؑ کو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ دیکھا۔ ایسی دو مضبوط گواہیوں کے خلاف یہ کہنا کہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ رجوع کا لفظ صعود کے بعد ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ

حضرت مسیحؑ کے وجود عنصری کے ساتھ آسمان پر چڑھنے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ اس کا رجوع بھی قرآن شریف سے ثابت کریں۔ کیونکہ نزول کیلئے صعود لازم نہیں ہے۔

صدق و وفا کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ صوم و صلوٰۃ سے انسان کو درجات نہیں ملتے۔ بلکہ اس بات سے جو کہ انسان کے دل میں ہے۔ یعنی صدق و وفا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ منشا ہے کہ اعمال صالحہ ہوں۔ اور ان کا اخفا ہو۔ ریاکاری نہ ہو۔ صدق بڑی چیز ہے۔ اسکے بغیر اعمال صالحہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنی سنت کو نہیں چھوڑتا۔ اسی لئے فرمایا۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ میں ہو کر مجاہدہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔

وجودیوں کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

بُت پرست بھی اپنے بتوں کو وجودیوں کی طرح مظاہر ہی مانتے ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف اس مذہب کی تردید کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے شروع میں ہی فرما دیا۔ الحمد للہ رب العالمین اگر خالق اور مخلوق میں کوئی امتیاز نہیں۔ اور ہر دو برابر ہیں۔ اور ایک ہی ہیں۔ تو رب العالمین نہ فرماتا۔ اب عالم تو خدا تعالیٰ میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ عالم کے معنے ہیں۔ ما یعلم بہ اور اللہ تعالیٰ کی صفت میں ہے۔ لا یدرک الابصار۔ موجودات عالم کو جو یہ لوگ عین اللہ کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف نے عین اور غیر کی کوئی بحث نہیں کی۔ حضرت محی الدین ابن عربی سے جو یہ مسئلہ منسوب کرتے ہیں۔ کہ اُس نے لکھا ہے۔ کہ الحمد للہ الذی خلق الاشیاء وھو عینھا یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تقف ما لیس لک بہ علم۔ جب انسان کو کچھ بھی خبر نہیں تو پھر بتاؤ کہ عینیت کہاں رہی۔ یہ تو پکی بات ہے۔ کہ کسی چیز کے صفات اس سے الگ نہیں ہوتے۔ خواہ وہ چیز کہیں چلی جائے۔ پانی کو خواہ لندن لیجاؤ۔ وہ پانی ہی رہیگا پس جب انسان عین خدا ہو۔ تو خدا کی صفات کیوں اُس سے الگ ہونے لگیں۔ خواہ وہ کسی حالت میں ہو۔ استحالہ کے ساتھ اس چیز کی صفات بھی معدوم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کا بقا تو اسکی صفات کے ساتھ ہے۔ مثلاً اگر ایک پھول کی صفات اُس کے ساتھ نہ ہوں تو

وہ پھول کیونکر کہلا سکتا ہے۔ پس اگر انسان خدا کا عین ہے۔ تو پھر خدائی صفات اُس کے ساتھ ہونی لازمی ہیں۔ اور اگر صفاتِ خداوندی اُسکے ساتھ نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ پھر نادانی سے اُسے عین خدا بنایا جاتا ہے۔ انسان بعض اوقات ایسی ایسی مصائب اور مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ کہ وہ کریں . . . . . مارتا پھرتا ہے۔ اور ایسا سرگردان ہوتا ہے کہ اُسے کچھ پتہ نہیں لگتا کہ کیا کرے۔ پھر اُسکی ہزارہا آرزوئیں اور تمنائیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو کبھی پوری ہونے میں نہیں آتیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے ارادے بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ وہ پورے نہ ہو سکیں۔ نہیں بلکہ اسکی شان تو یہ ہے۔ اذا ارادشیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ ان انسانی کمزوریوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ ہستی جو انسان کو اپنے ارادوں میں نامراد کرتی ہے۔ وہ کوئی الگ اور طاقتور ہستی ہے۔ اگر انسان اور وہ دونو ایک ہی ہوتے۔ تو انسان کو ایسی نامرادیاں پیش نہ آتیں۔ یاد رکھو کہ ایسے اعتقادات قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور خطرناک گستاخی کی باتیں ہیں۔ ایسے اعتراضات کرنا کہ پھر دینا کہاں سے بنائی سخت بے ادبی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات کو قادر مطلق مان لیا۔ تو پھر ایسے اعتراضات کی گنجائش کہاں رہی؟ آریہ لوگ بھی اسی قسم کے اعتراضات پیش کیا کرتے ہیں۔ گویا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی محدود طاقت اور قوت کے پیمانہ سے ماپنا چاہتے ہیں۔

پھر دیکھو کہ وجودیوں کے بڑے بڑے آدمی مرے اور ہمیشہ مرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ خدا ہیں۔ تو اُن کو اپنی خدائی کا کچھ کرشمہ دکھانا چاہیئے تھا۔ نہ یہ کہ عاجزوں کی طرح تڑپ تڑپ کر جان دیتے۔ خوب یاد رکھو کہ انسان کی سعادت اسی میں ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں اپنا دخل نہ دے۔ بلکہ ہر وقت اپنی عبودیت اور لاچارگی کا اعتراف کرتا رہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمارا تو یہ ایمان اور مذہب ہے کہ وہ ایک فوق الفوق قادر ہستی ہے جو ہم پر حکم کرتی ہے اور جدہر چاہتی ہے لے جاتی ہے۔ وہ خالق ہے۔ ہم مخلوق ہیں۔ وہ حی و قیوم ہے اور ہم ایک عاجز مخلوق۔ قرآن شریف میں جو حضرت سلیمانؑ اور بلقیس کا ذکر ہے کہ اُس نے پانی کو دیکھ کر اپنی پنڈلی سے کپڑا اُٹھا لیا۔ اس میں بھی یہی تعلیم دینی مقصود تھی۔ کہ جیسے یہ پانی شیشہ کے اندر چل رہا ہے۔ اور

شیشہ نظر نہیں آتا حالانکہ دراصل اوپر شیشہ موجود ہے۔ اسی طرح آفتاب کو (کیونکہ بلقیس آفتاب پرست تھی) روشنی اور ضیاء بخشنے والی ایک اور زبردست طاقت ہے۔

وجودیوں کی طرف سے جو یہ کہا جاتا ہے۔ کہ قرآن شریف غیریت اُٹھانے آیا تھا۔ یہ امر اُنہوں نے سمجھا ہی نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف کا اصل مقصد بنی نوع انسان میں ایک عام اتحاد قائم کرنیکا ہے۔ نہ کہ خالق اور مخلوق کو متحد فی الذات کر دینے کا۔ بغیر کسی نظیر کے تو کچھ سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پس وجودیوں کو کوئی ایسی مثال پیش کرنی چاہیئے جس سے ثابت ہو جائے کہ خالق اور مخلوق ایک ہی ہیں۔ انسان گناہ سے بعض وقت محبت کرتا ہے۔ پھر وہ عین خدا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وجودی کہتے ہیں کہ ہم نے غیریت سے خدا کا شریک بنالیا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ ہم تو مخلوق کو مخلوق مانتے ہیں۔ کوئی الگ خدا تو تجویز نہیں کرتے۔ جس سے شرک لازم آئے۔ پھر مخلوق بھی ایسی مانتے ہیں۔ کوئی الگ خدا تو تجویز نہیں کرتے۔ جس سے شرک لازم آئے۔ پھر مخلوق بھی ایسی مانتے ہیں۔ جس کے اوپر سارے کا سارا تصرف اللہ تعالیٰ کا ہے کیونکہ وہ حی و قیوم ہے۔ کہ جس کے سہارے سے مخلوق کے ذرہ ذرہ کی زندگی قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کا حیّ و قیوم نہیں۔ کہ جیسے ایک عمارت کو اپنے قیام میں معمار کے زندہ رہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یعنی اگر معمار مر جائے تو اسکے مر جانے سے عمارت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کو ہم ایسا حی و قیوم مانتے ہیں۔ کہ مخلوق کسی صورت میں اس کے سہارے سے الگ ہو ہی نہیں سکتی۔ اور جملہ مخلوق کی زندگی اور قیام کا اصل ذریعہ اُسی کی ذات ہے۔ ہم عین اور غیر کی بحث میں ہرگز نہیں پڑنا چاہتے۔ کیونکہ قرآن شریف نے ان اصطلاحات کو کبھی بیان نہیں فرمایا۔ اسلئے جو تعلقات خالق اور مخلوق کے اُس نے بیان فرما دیئے ہیں۔ اُن سے باہر جانا ہمارے نزدیک گستاخی اور بے ادبی ہے۔ شیخ محی الدین سے پہلے وحدۃ وجود کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ہاں وحدت شہودی تھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں اپنے آپ کو فانی سمجھنا۔ وحدت شہودی میں من تو شدم تو من شدی استیلائے محبت کا تقاضا تھا۔ وجودیوں نے اس سے تجاوز کر کے وہ کام کیا۔ جو بعض ڈاکٹر اور فلاسفر کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ خدائی کے حصہ دار بن بیٹھے ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ وحدت وجود کے عقاید رکھنے والے لوگ عموماً اباحتی ہوتے ہیں۔ نماز۔ روزہ کی ان کو پرواہ تک نہیں

ہوتی۔ یہاں تک کہ کنچنیوں کے ساتھ بھی تعلقات رکھنے میں انہیں کوئی پرہیز اور عذر نہیں ہوتا۔ شہود کی حقیقت تو صرف اسی قدر ہے کہ جس طرح سے لوہے کو آگ میں ڈالا جائے اور وہ گرم ہو کر سُرخ آگ کی طرح سے ہو جائے۔ اور اس میں سے سارے آگ کے خواص پائے جائیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ آگ نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ لوہا ہی کہلائیگا۔ اسی طرح سے جس شخص کے اللہ تعالیٰ سے تعلقات قوی اور شدید ہوتے ہیں۔ جو اپنے اندر ایک قسم کی اقتداری قوت کا نمونہ رکھتے ہیں۔ کم فہم لوگ اپنی کم فہمی اور کمزوری کی وجہ سے یہ گمان کر لیتے ہیں۔ کہ شاید یہ شخص خدا ہی ہو۔ شہودی حالت میں اکثر امور انسان کی مرضی کے مطابق وقوع پذیر ہو جاتے ہیں۔ جس طرح سے کہ آنحضرتؐ کے افعال کو اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال قرار دیا۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (الحکم جلد ۶ صفحہ ۲۵)

یکم اگست ۱۹۰۲ء بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ حسب معمول احباب میں بیٹھے تھے۔ کہ سید ناصر شاہ صاحب جو جموں سے کئی سالوں کے بعد آئے تھے۔ آپ کے پاؤں دبانے لگے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ آپ بیٹھ جائیے۔ شاہ صاحب جوش ارادت سے پاؤں دبانے پر مصر تھے۔ کہ دوبارہ حضرت مسیح موعودؑ نے نہایت محبت سے فرمایا۔ کہ "آپ بیٹھ جائیں"۔ اس پر شاہ صاحب بیٹھ گئے۔ بعد ازاں مولوی عبدالکریم صاحب نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ آج حضورؑ نے کیا لکھا ہے۔ جس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا۔ کہ "آج تو میں پچھلا مسودہ دیکھتا رہا۔ کیونکہ کاتب لکھ رہا ہے" اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب نے ان قصائد کے بارے میں جو نزول المسیح کے ساتھ منضم ہونگے دریافت کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔ وہ آخر میں لگائے جائینگے۔ نثر میں اس کے تداخل کی ضرورت نہیں۔ اسکے بعد ہی میں ان کو پورا کرونگا"۔ بعد اسکے فرمایا کہ:۔ فیصلہ بہت ہی آسان تھا۔ اگر ہمارے مخالف فیصلہ کرنے والے ہوتے۔ ان کو کیا معلوم ہے۔ کہ جب میں عربی لکھتا ہوں۔ تو کس طرح افواج کی طرح الفاظ اور فقرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ میرا مقابلہ کرتے اور کچھ لکھنے کیلئے قلم اُٹھاتے تو ان کو پتہ لگ جاتا۔ ہم پر جو سرقہ کا الزام لگاتے ہیں۔ ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے۔ کہ دنیا کی ساری کتابوں سے سرقہ کر لیں لیکن جب یہ لوگ علمی مضمون کو ادا ہی نہیں کر سکتے۔ اور معارف سے بالکل آگاہ نہیں تو ترے

الفاظ اور جملوں کے سرقہ سے اُن کا کیا بنیگا؟ الفاظ کو علمی رنگ میں معانی کے تابع کسی مضمون کی شکل میں یہ لوگ ہرگز نہیں لکھ سکتے۔ اسکی تو وہی مثال ہوگی۔ کہ ایک شخص معمار ہو۔ اور اینٹیں چرا کر جمع کرے اور بس۔ محض اینٹیں چرا لینے سے تو عمارت تیار نہیں ہو سکتی رہا سرقہ کے الزامات۔ یہ تو حریری پر بھی لگایا گیا تھا ہمارے مخالف لوگ الفاظ کا تتبع کرتے ہیں۔ مضمون کا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حریری کے بارے میں مشہور ہے۔ کہ جب اُسے ایک اظہار لکھنے کیلئے کہا گیا۔ تو وہ نہ لکھ سکا۔ یہ قرآن شریف کا ہی معجزہ ہے۔ کہ جسکی عبارت بھی کمال درجہ کی فصیح و بلیغ ہے۔ کہ جسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ اور مضامین بھی عالی اور علمی ہیں۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی۔ کہ ایک دفعہ میرا ارادہ بھی مقامات حریری کی طرح مسجع عبارت میں قصہ لکھنے کا تھا۔ لیکن مجھ پر یہی بات کھل گئی۔ کہ عبارت آرائی اور چیز ہے۔ حقائق اور معارف اور واقعات صحیحہ کا فصیح بلیغ عبارت میں لکھنا محال ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ "یہی تو معجزہ قرآن شریف کا ہے" پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ "فیصلہ کی کیسی آسان راہ تھی۔ یہ جو مشہور کرتے ہیں۔ کہ گولڑوی کے مقابلہ پر ہم لاہور نہ آئے۔ حالانکہ ہم نے کہا تھا کہ تقاول کے طور پر کہیں سے قرآن شریف کھول کر مقابل بیٹھ کر تفسیر لکھنی چاہیئے۔ جس کا جواب اس وقت گولڑوی نے یہ دیا۔ کہ پہلے عقاید پر تقریر کر کے مولوی محمد حسین کا فیصلہ مان لو۔ اگر وہ کہدے کہ تمہارا عقیدہ غلط ہے۔ تو معاً میرے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ پھر تفسیر لکھ لو۔ اب بتاؤ یہ کیا فیصلہ ہوا۔ اس پر کہتے ہیں کہ ہم لاہور نہ آئے"۔

مولوی سید علی حائری لاہوری شیعہ کے رسالہ کا ذکر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے آپ کی مجلس میں کیا۔ کہ اُس نے لکھا ہے۔ کہ بارہ امام نور سے پیدا ہوئے تھے۔ کیونکہ ان کا سایہ نہ تھا۔ اور قرآن شریف کی چودہ منزلیں ہیں۔ کہ لوح محفوظ پر آیا۔ پھر جبرائیل کے پاس وغیرہ وغیرہ۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ کیا چودھویں منزل یہ نہیں لکھی کہ آخر حضرت عثمانؓ کے پاس محرف مبدل ہو گیا۔ چودھویں منزل تو ان کے اعتقاد کے مطابق یہی ہوگی نہ"۔ پھر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ غایت المقصود پڑھکر اتنے ہزار مرزائی مومن ہو گئے۔ اس پر مفتی محمد صادق صاحب نے بھی عرض کی۔ کہا کہ گولڑوی یہی کہتا ہے۔ کہ اسکی کتاب پڑھکر اتنے ہزار نے توبہ کی۔ یہ عجیب بات ہے۔ ایک طرف تو

احمدیوں کی تعداد کم بتلاتے ہیں۔ پھر ہزاروں کو اپنے ساتھ بھی شامل کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ ختم ہونے میں نہیں آتے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے ہنس کر فرمایا کہ "یہ عجیب حساب ہے جو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس کا کیا نام رکھا جاوے۔ اربعہ ہے یا کیا کہ جس قدر کم ہوتے جاویں وہ بڑھتے جائیں"۔ پھر ضمناً حضرت اقدسؑ نے اشاعت السنہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ کہ شایع ہؤا یا نہیں۔ بعد ازاں ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک لڑکے کا خواب حضرت کی خدمت میں سنایا۔ جس پر آپ نے فرمایا کہ:۔ ہر شخص کی خواب اسکی ہمت اور استعداد کے موافق ہوتی ہے۔ معبرین نے یہی لکھا ہے" ضمناً آپ نے میاں جان محمد مرحوم امام مسجد قادیاں کی ایک رویا کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فیضان ظرف اور استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے لیکن جس طرح سے روشنی ایک صاف اور روشن چیز پر جیسے مثلاً آئینہ ہے۔ بہت صفائی سے پڑتی ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے فیضان کا حال ہے۔ ہمارے نبی کریمؐ کی ہمت بہت ہی بلند تھی۔ اسلئے قرآن شریف جیسا کلام آپ پر نازل ہؤا۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی صاف تصویر نظر آتی ہے۔ لیکن دوسری آسمانی کتابوں میں دھندلی سی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت مسیح کو ہی دیکھ لو۔ کہ صرف اسرائیل کی ہی محدود قوم پیش نظر تھی۔ لیکن اس کے خلاف قرآن شریف کسی خاص قوم کو خطاب نہیں کرتا۔ بلکہ شروع ہی سے الحمد للہ رب العلمین فرماتا ہے۔ پھر حضرت نبی کریمؐ کی دعوت کیسی عام اور آپکی ہمت کسقدر بلند تھی۔ کہ فرمایا یَا اَیُّھَا النَّاس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً لیکن انجیل میں صرف بنی اسرائیل کا ہی ذکر ہے۔ اور جو پیشگوئیاں ہیں۔ وہ بھی انہی کے متعلق ہیں۔ اسی وجہ سے یہودیوں کو ٹھوکر لگی۔ اور وہ خدا کے وعدوں کے مصداق صرف اپنی ہی قوم کو سمجھکر تمام دیگر اقوام سے بے تعلق اور غافل ہو گئے۔ اور خدا کے وعدوں کی ایفا کی آخری منزل اسی دنیا کو خیال کر کے قیامت سے بیخبر اور اُن میں سے بہت سے منکر بھی ہو گئے"۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ہمت بلند ہونی چاہیئے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ہمت بلند دار کہ دادار کردگار"۔

اسی گفتگو میں عشا کی اذان ہو گئی۔ اور بعد ادائے نماز آپ اندر تشریف لے گئے۔ (الحکم جلد ۶ ۲۸)۔

۴ اگست ۱۹۰۲ء بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعود کی خدمت میں ایک نوجوان بھائی نے عرض کی کہ وہ اپنا خواب بیان کرنا چاہتا ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ کل صبح کو بیان کرو۔ مسنون طریق یہی ہے۔ رسول اللہ بھی صبح ہی کو خواب سُنا کرتے تھے۔"

اثنائے کلام میں مولوی فیضی سکنہ بھین ضلع جہلم کے بارے میں ذکر ہُوا کہ اُسنے اعجاز المسیح کا جواب لکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق اُسے نامراد رکھکر دنیا سے اُٹھا لیا۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ:۔ یہ کس قدر زبردست نشان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری تصدیق اور تائید میں کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض اب سوال یہ ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ سلسلہ جیسا کہ ہمارے مخالف مشہور کرتے ہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا۔ تو چاہیئے تھا کہ فیضی نے جو لوگوں کی نفع رسانی کا کام شروع کیا تھا۔ اس میں اسکی تائید کیجاتی۔ لیکن اس کے خلاف اس طرح پر اس کا جوانا مرگ ہو جانا صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ اس سلسلہ کی مخالفت میں قلم اُٹھانا لوگوں کی نفع رسانی کا کام نہ تھا۔ ہمارے مخالفوں کو بھی کم از کم اتنا تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ اسکی نیت نیک نہ تھی۔ ورنہ کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسکی تائید نہ کی کہ اُسے مہلت نہ ملی کہ اُسے مکمل کر لیتا۔ میرے الہام میں بھی یہی ہے۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ تیس ۳۰ برس سے زاید عرصہ ہُوا۔ جب کہ میں تپ سے سخت بیمار ہو گیا۔ اسقدر شدید تپ مجھے چڑھی ہوئی تھی۔ کہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ سینے پر بہت سے انگارے رکھے ہوئے ہیں۔ اسی اثنا میں مجھے الہام ہُوا۔ واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض۔ بعض دفعہ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ بعض مخالف اسلام بھی لمبی عمر حاصل کرتے ہیں۔ اسکی کیا وجہ ہے؟ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا وجود بھی بعض رنگ میں مفید ہی ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل بدر کی جنگ تک زندہ رہا۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اگر مخالف اعتراض نہ کرتے تو قرآن شریف کے تیس پارے کہاں سے آتے۔ جس چیز کے وجود کو اللہ تعالیٰ مفید سمجھتا ہے۔ اُسے مہلت دیتا ہے۔ جو ہمارے مخالف زندہ ہیں۔ اور مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اُن کے وجود سے بھی یہ فائدہ پہنچتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق و معارف عطا کرتا ہے۔ اب اگر ہر علیشاہ اتنا شور نہ مچاتا۔ تو نزول المسیح کیسے لکھی جاتی۔ اسی طرح سے دیگر مخالف مذاہب کے بقا کا بھی یہی باعث ہے۔ کہ اسلام کے اصولوں کی خوبی اور حُسن ظاہر ہو۔ اب دیکھ لو کہ نیوگ اور کفارہ کے اعتقادات رکھنے والے مذاہب نہ ہوتے تو اسلام کی خوبیوں کا امتیاز کیسے ہوتا۔ غرض مخالف کا وجود بھی اگر مفید ہو تو اللہ تعالیٰ اسے مہلت دیتا ہے۔"

بعد ادائے نماز عشا حضرت مسیح موعودؑ اندر تشریف لیگئے (الحکم جلد ۶ ۲۸)

۶ اگست ۱۹۰۲ء بعد نماز شام حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں پیر گولڑوی کی کتاب سیف چشتیائی کی تصنیف کا ذکر تھا۔ بعد ازاں ڈوئی امریکن کا اخبار پڑھا گیا۔ جس نے اپنے مخالف اقوام و سلطنتوں کی تباہی کی پیشگوئی کی تھی۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

"مفتری کذاب اسلام کا خطرناک دشمن ہے۔ بہتر ہے کہ اسکے نام ایک کھلا خط چھاپ کر بھیجا جاوے اور اسکو مقابلہ کیلئے بلایا جاوے۔ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی سچا مذہب نہیں ہے۔ اور اسلام ہی کی تائید میں برکات اور نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ اگر یہ مفتری میرا مقابلہ کریگا۔ تو سخت شکست کھائیگا۔ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اسکو افترا کی سزا دے۔"

غرض یہ قرار پایا۔ کہ ۷ اگست کو حضرت اقدسؑ اس مفتری کو ایک خط بطور دعوت مقابلہ تحریر فرماویں۔ جسے انگریزی میں ترجمہ کر کے مختلف اخبارات میں شائع کیا جائے۔

۷ اگست ۱۹۰۲ء صبح کی سیر میں ایڈیٹر الحکم نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی کہ امسال جاپان میں ایک مذہبی کانفرنس چکاگو کی مذہبی کانفرنس کی طرز پر ہونے والی ہے۔ آپؑ اس کیلئے اسلام پر مضمون تحریر فرمائیں۔ جسے کوئی دوست جیسے مولوی محمد علی صاحب جاکر وہاں سنائیں اس پر آپ نے فرمایا کہ:۔

"بیشک ہم تو ہر وقت تیار ہیں۔ اگر پختہ طور پر یہ معلوم ہو جائے۔ کہ وہ کب ہو گی

اور اس کے قواعد کیا ہیں۔ تو ہم اسلام کی خوبیوں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کر کے دکھا سکتے ہیں۔ اور اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو ہر ایک میدان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ مذہب کے تین جزو ہیں۔ اوّل خداشناسی مخلوق کے ساتھ تعلق اور اسکے حقوق۔ اور اپنے نفس کے حقوق۔ جسقدر مذہب دنیا میں اس وقت موجود ہیں۔ بجز اسلام کے جسے ہم پیش کرتے ہیں۔ سب نے بے اعتدالی کی ہوئی ہے۔ اسلئے اسلام ہی کامیاب ہوگا۔" عرض کیگئی کہ وہاں بدھ مذہب ہے اس کا ذکر بھی مضمون میں آجانا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ :-

"بدھ مذہب دراصل سناتن دھرم ہی کی شاخ ہے۔ بدھ نے اوائل میں ہی اپنی بیوی بچّوں کو چھوڑ دیا۔ اور دنیا سے تعلق قطع کر لیا۔ لیکن شریعت اسلام نے اسے جائز نہیں رکھا ہے۔ بلکہ اسلام نے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی اور مخلوق سے تعلق رکھنے میں کوئی تناقض بیان نہیں کیا۔ بدھ نے پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھائی۔ بدھ مذہب میں دہریت پائی جاتی ہے۔ مجھے اس بات سے کبھی اتنا تعجب نہیں ہوتا کہ ایک کتا کیوں مردار کھاتا ہے۔ جتنا مجھے اس بات سے تعجب ہے کہ ایک انسان انسان ہو کر اپنے جیسی مخلوق کی پرستش کیوں کرتا ہے۔ اسلیئے اس وقت جبکہ خدا تعالےٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ تو سب سے اوّل میرا یہ فرض ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی توحید قائم کرنے کیلئے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں کوشش کروں۔ پس مضمون تیار ہو سکتا ہے اور وہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ پہلے قواعد آنے چاہئیں۔" پھر فرمایا کہ :-

"اس مضمون کو پڑھنے کیلئے اگر مولوی عبدالکریم صاحب جائیں تو خوب ہے۔ اُنکی آواز بڑی بارُعب اور زبردست ہے۔ اور وہ انگریزی تحریر کو بخوبی پڑھ بھی سکتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ مولوی محمد علی صاحب بھی ہوں۔ اور ایک اور شخص بھی چاہیئے۔ الرفیق ثم الطریق" پھر اس سلسلہ کلام میں فرمایا کہ :-

"زمانہ میں باوجود استغراق دنیا کی توجہ مذہب کی طرف بھی ہو گئی ہے۔ اور مذہبی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ ایسا جاری ہو گیا ہے۔ کہ پہلے کبھی ایسا موقعہ نہیں ملا۔" پھر اس ذکر پر کہ انجمن حمایت الاسلام لاہور کو بعض اخبارات نے توجہ دلائی ہے۔ کہ وہ کوئی آدمی بھیجیں آپ نے فرمایا کہ :- ہمارے مخالف اسلام کو کیا پیش کریں گے۔ جبکہ خود انکو

اسلام کی خوبیوں کا اعتراف نہیں ہے۔ سب سے پہلے اسلام نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو بڑے زور سے قائم کیا۔ لیکن جب ہمارے مخالف مسلمان خود حضرت مسیحؑ میں خدائی صفات کو قائم کرتے اور مانتے ہیں۔ تو توحید کہاں رہی۔ پھر برکات اسلام کا فخر ہے لیکن یہ لوگ اس سے بھی منکر ہیں۔ اگر یہ گذشتہ قصے پیش کریں۔ تو ہندو بھی ایسے قصے پیش کر سکتے ہیں۔ حالانکہ اسلام تو اُس پھل کی طرح سے تھا۔ جو ہر وقت تازہ تیازہ ہو۔ جس کے کھانے سے لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے لیکن اب ان لوگوں نے اسکی وہ حالت کر دینی چاہی ہے۔ کہ جیسے ایک سڑا ہوا پھل ہو۔ جس کی عفونت دماغ کو خراب کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق اسلام کو تازہ ہی رکھا ہے۔ اسلئے بجز ہمارے کوئی دوسرا اس کو صحیح طور پر پیش نہیں کر سکتا۔ آج اسلام کو وہی شخص کامیاب کر سکتا ہے۔ جو بیان کرتے کرتے مسیحؑ کو قبر تک پہنچا دے۔" پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو براہین احمدیہ میں وعدہ فرمایا تھا ینصرک اللہ فی المواطن یعنی اللہ تعالیٰ بہت سے میدانوں میں تیری مدد کریگا۔ اس کے مطابق اب تک جسقدر میدان ہمارے سامنے آئے۔ اُن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح دی"۔ (الحکم جلد ۶ ص ۲۸)۔

۶ر اگست کی درمیانی رات الہام ہوا۔ انی انا ربک القدیر لا مبدل لکلماتی۔ یہ نزول المسیح کی تصنیف اور کتاب سیف چشتیائی کو زیر نظر رکھتے ہوئے توجہ کرنے سے الہام ہوا (الحکم جلد ۶ ص ۲۸)۔

کتاب نزول المسیح کی طرف حضرت مسیح موعودؑ کی ان دنوں خاص توجہ ہے چنانچہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو اشاعت اور تبلیغ کا اس قدر جوش خدا نے دیا ہے کہ خواہ ہماری ساری جائداد بھی بک جائے۔ مگر اشاعت عمدہ طور پر ہو جائے۔ (الحکم جلد ۶ ص ۲۸)۔

۸۔ اگست ۱۹۰۲ء شام کے وقت حضرت مسیح موعودؑ نے مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو وہ چٹھی ترجمہ انگریزی کرنے کیلئے دی جو آپ نے امریکہ کے مفتری ڈاکٹر ڈوئی کے نام لکھی تھی۔ وہ چٹھی جملہ احباب موجودہ کے سامنے سنائی گئی۔ اس میں آپ نے اُسکے سامنے ایک طریق

فیصلہ پیش کیا۔ کہ چونکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ عہدنامہ کا رسول ہے۔ اور الیاس پیغمبر ہے۔ جس کا آنا مسیح سے پہلے ضروری تھا۔ اسلیئے وہ انسان اور اقوام اور سلطنتیں تباہ ہو جائینگی جو اُسے رسول نہ مانینگی۔ اُس نے مسلمانوں کو خاص طور پر مخاطب کیا تھا اسلیئے آپنے اُسے لکھا کہ بچا اسکے کہ تمام مسلمان ہلاک ہوں۔ وہ آپ کے ساتھ فیصلہ کرے اور چونکہ آپ کا دعویٰ ہے۔ کہ جس مسیح موعودؑ کا ڈاکٹر ڈوئی انتظار کر رہا ہے۔ وہ آپ ہی ہیں۔ اس لئے اگر وہ قبول نہیں کرتا۔ تو کاذب اور مفتری کا آسمانی فیصلہ ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ ڈاکٹر مذکور اپنے ایک ہزار مریدوں کے دستخط سے یہ اعلان شائع کر دے۔ کہ ہم دونوں میں سے جو شخص مفتری اور کاذب ہے۔ وہ راستباز اور صادق سے پہلے ہلاک ہو جائے۔ نیز آپ نے لکھا کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ کہ ہمیشہ کیلئے ثابت کر دیا جائے۔ کہ تلوار کے ذریعہ سے کسی مذہب کی سچائی کا فیصلہ کرنے کا خیال بالکل غلط ہے۔ اسی میں آپ نے وفات مسیح اور اسکی قبر کا راز افشا کر کے اناجیل کے حوالہ جات سے ثابت کر دیا۔ کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ صلیبی موت سے بچ کر اس ملک سے ہجرت کر کے کشمیر چلا آیا۔ جہاں آکر اس نے وفات پائی۔ اس چٹھی کے سُنائے جانے کے بعد مولوی محمد عبداللہ صاحب کشمیری نے ایک فارسی نظم غازی اور گولڑوی کے جواب میں پڑھی۔ پھر مولوی جمال الدین صاحب سیکھوانی نے اپنی پنجابی نظم تصدیق المسیح سنائی۔ اور بعد نماز عشا حضرت مسیح موعودؑ اندر تشریف لے گئے۔

۹ اگست ۱۹۰۲ء صبح کی سیر کے وقت مختلف تذکروں کے درمیان قیصر ہند کی تاجپوشی کا ذکر آیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ رعیت کی بڑی خوش قسمتی ہے۔ کہ شاہ ایڈورڈ ہفتم ہندوستان کے سرپرست مقرر ہوئے ہیں۔ میری رائے تو یہ ہے۔ کہ نوجوان بادشاہ کی نسبت بوڑھا بادشاہ رعایا کیلئے نہایت ہی مفید ہوتا ہے۔ کیونکہ نوجوان آدمی بعض وقت اپنے جذبات اور جوش کے ماتحت آکر رعایا کے حقوق اور نگہداشت کے طریقوں میں فروگذاشت کر بیٹھتا ہے۔ لیکن عمر رسیدہ بادشاہ اپنی عمر کے بہت سے حصے سے گذر کر تجربہ کار ہو جاتا ہے اور اس کے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا کا خوف اسکے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اسلیئے وہ رعایا کیلئے

بہت ہی مفید اور خیر خواہ ہوتا ہے۔

ظہر اور عصر کی نمازیں حضرت مسیح موعودؑ نے باجماعت ادا فرمائیں اور کوئی خاص قابل ذکر بات نہ ہوئی۔

نماز مغرب سے فارغ ہو کر حسب معمول حضرت مسیح موعودؑ تشریف فرما ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کپورتھلہ سے آئے ہوئے دو تین احباب نے بیعت کی جس کے بعد ایک دوست کے بارہ میں عرض کی گئی کہ وہ قاری ہیں جس پر حضرت مسیح موعودؑ نے اُن سے قرآن کریم سنانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے سورہ مریم کا ایک رکوع خوش الحانی سے پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد قاری صاحب سے کچھ اور باتیں دریافت فرمائیں۔ بعد ازاں قاری صاحب نے عرض کی کہ انہیں بہت عرصہ سے اس بات کا اشتیاق تھا کہ حضرت نبی کریمؐ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ اس کیلئے حضور کوئی وظیفہ ان کو بتا دیں جس سے کہ انہیں زیارت نصیب ہو جائے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:۔

دیکھو آپ نے میری بیعت کی ہے۔ جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بیعت کے مقاصد کو مدنظر رکھے۔ یہ امر کہ حضرت نبی کریمؐ کی زیارت ہو جائے۔ اصل منشا اور مدعائے بیعت سے دور ہیں۔ انسان کا یہ مقصد بیعت ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔ خود قرآن کریم میں بھی یہ اصل مقصد انسان کے لئے نہیں رکھا گیا۔ بلکہ فرمایا ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ یعنی اصل غرض حضرت نبی کریمؐ کی متابعت رکھی گئی ہے۔ جب انسان آپ کی متابعت میں کھویا جاتا ہے تو ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ ضمناً وہ آپؐ کی زیارت بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس طرح ایک میزبان کسی کی دعوت کرتا ہے اور اس کیلئے عمدہ عمدہ کھانے حاضر کرتا ہے لیکن ان کے ساتھ ہی وہ کھانے رکھنے کے لئے ایک دسترخوان بھی ساتھ ہی لے آتا ہے۔ مہمان کے ہاتھ بھی دھلاتا ہے۔ حالانکہ ان باتوں میں اصل مقصد تو صرف کھانا ہی کھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جو شخص حضرت رسول کریم صلعم کی اتباع پورے طور پر کرتا ہے اور اسی کو اپنا اصل مقصد ٹھہراتا ہے تو ضمناً کسی وقت آپؐ کی زیارت نصیب ہو جانا بھی ممکن ہے۔ دیکھو بہت سے لوگ یہاں میری بیعت کرنے کیلئے آتے ہیں اور مجھے دیکھتے بھی ہیں لیکن اگر اُن میں وہ تبدیلی پیدا نہ ہو جو میری بیعت کی

اصل غرض ہے اور جس کے لئے میں مامور کیا گیا ہوں تو محض میرے دیکھ لینے سے ان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ شخص بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہی بدبخت ہوتا ہے اور اس کی کوئی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جس نے سارے انبیاء کی زیارت تو کی ہو مگر وہ سچا اخلاص وفاداری اور خدا پر سچا ایمان۔ خشیت اللہ اور تقوے اُس کے دل میں نہ ہو جو انبیاء کے آنے کی اصل غرض ہوتی ہے۔ پس خوب یاد رکھو کہ نری زیارت کر لینے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ ہے وہ سچی اتباع ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جو پہلی دعا سکھلائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اصل مقصد محض نبی کریمؐ کی زیارت ہی ہوتا تو وہ اس دعا کی بجائے اَرِنَا صُوَرَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا سکھاتا حالانکہ ایسا نہیں کیا گیا۔ حضرت نبی کریمؐ کی عملی زندگی میں دیکھ لو۔ آپؐ نے کبھی اس بات کی خواہش ظاہر نہیں کی کہ آپؐ کو حضرت ابراہیمؑ کی زیارت حاصل ہو جائے۔ گو معراج کی رات آپؐ نے سب انبیاء کی زیارت بھی کر لی۔ پس ایک سچے مومن کے دل میں یہ امر مقصود بالذات ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ اسے حضرت نبی کریمؐ کی زیارت نصیب ہو۔ بلکہ یہ کہ آپ کی سچی اتباع نصیب ہو۔ سورہ فاتحہ میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ اوّل منعم علیھم۔ دوم مغضوب سوم ضالین۔ مغضوب سے مراد بالاتفاق یہود ہیں اور ضالین سے نصاریٰ۔ اب یہ تو سیدھی بات ہے کہ کوئی دانشمند باپ اپنی اولاد کو ایسی تعلیم ہرگز نہیں دیتا جو اس کے کام نہ آنے والی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ کیونکر روا رکھا جا سکتا ہے۔ کہ اُس نے انسانوں کو ایسی دعا سکھلائی جو اُن کے کسی کام میں نہ آنے والی تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ اُس نے ایسی تعلیم دی جو آئندہ واقعہ ہونیوالی تھی۔ مثلاً مغضوب سے مراد یہود ہیں۔ اسی کے مطابق حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا کہ آپ کی اُمت کے بعض لوگ یہودی صفت ہو جائیں گے اور یہاں تک اس قوم سے مشابہت پیدا کر لیں گے کہ اگر کسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا بھی کیا ہوگا تو وہ بھی کرینگے پھر وہ یہودی جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نیچے آئے حضرت عیسیٰ کی زبان سے ان پر لعنت پڑی۔ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ (المائدہ - ۷۹) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں یہ سب واقعات ظہور پذیر ہوں گے۔ وہ وقت اب آگیا ہے۔ اور میری مخالفت میں یہ لوگ یہودی قوم سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کی کہ ایک سوال اکثر لوگ دریافت کیا کرتے ہیں کہ بعض وقت ان کو ایسے مواقع پیش آجاتے ہیں کہ جب تک وہ کسی اہلکار کی کچھ خدمت نقدی یا کسی اور صورت میں نہ کریں وہ ان کا کام نہیں کرتے یا اُنہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ میرے نزدیک رشوت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کے جائز حقوق کو زائل کرنے یا گورنمنٹ کے حقوق کو دبانے یا لینے کیلئے کسی دوسرے شخص کو کچھ دیا جائے۔ اگر ایسی صورت ہو کہ کسی دوسرے شخص کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو اور نہ کسی دوسرے شخص یا گورنمنٹ کا حق زائل ہوتا ہو بلکہ صرف اپنے حق کی حفاظت کے لئے کچھ دینا پڑتا ہو تو کوئی ہرج نہیں۔ اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ ایک شخص راستہ پر چل رہا ہے سامنے سے ایک کتا آکر اُسے کاٹنے کو دوڑتا ہے تو وہ اُسے روٹی کا ایک ٹکڑا ڈال کر اس کے شر سے محفوظ رہ کر اپنے راستہ پر امن سے چلا جاتا ہے۔ اس پر حضرت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کی کہ بعض معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ انسان کو پتہ ہی نہیں لگ سکتا کہ اصل حق کس کا ہے اور حق پر کون ہے۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ ان صورتوں میں استفتاء قلب کافی ہے۔ اس میں شریعت کا حصہ رکھا گیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے بارہ میں اگر زیادہ غور و تحقیق سے کام لیا جائے تو قرآن کریم سے بھی کوئی نص مل جانے کی اُمید ہے۔

بعد ادائگی نماز عشاء آپ اندر تشریف لے گئے۔

۱۰۔ اگست ۱۹۰۲ء

صبح کی نماز باجماعت ادا فرما کر آپ سیر کے لئے تشریف لے گئے تو اس میں شیعوں کی لاہوری مجتہد سید علی حائری کے دوسرے اشتہار یا رسالہ کا تذکرہ تھا جس میں اُس نے نہایت بے معنی اور لغو طریق پر حضرت امام حسینؓ کی فضیلت تمام انبیاء پر ثابت کرنے کی نہایت ناکام اور بیہودہ کوشش کی تھی۔ اور ضمناً اس بات کا بھی ذکر ہوا کہ ہمارے مخالفین اور مکذبین کا جو انجام ہوا ہے وہ ایک زبردست نشان ہے۔ مثلاً غلام دستگیر قصوری کا اپنی کتاب میں مباہلہ کرنا اور اس کے چند روز بعد مرجانا۔ یا مولوی اسمٰعیل علی گڑھی کا مباہلہ کرنا اور ہلاک ہونا ایسا ہی لدھیانہ کے اول المکذبین مولوی عبدالعزیز کا تباہ ہونا اسی طرح دوسرے مخالفین کا مختلف مصائب اور آفات

میں مبتلا ہو جانا اور اس سلسلہ کا کامیاب و بامراد ہونا ایک بڑا عظیم الشان نشان ہے۔ پھر باتوں ہی باتوں میں نواب محمد علی خاں صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص سے انہوں نے کہا کہ مومن ہی دنیا و آخرت میں سچا سکھ پاتا ہے۔ اس پر وہ شخص کہنے لگا کہ پھر سب سے بڑے مومن تو انگریز ہوئے اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ۔ یہ بات غلط ہے کہ سچا سکھ اور راحت کفار کو حاصل ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ شراب جیسی چیزوں کے کیسے غلام بنے ہوئے ہیں۔ اور ان کے حوصلے کس طرح پست ہو گئے ہیں اگر ان کو اطمینان قلب اور سکینت نصیب ہو۔ تو ذرا ذرا سی بات پر خودکشیاں کیوں کریں۔ ایک مومن کبھی خودکشی نہیں کر سکتا۔ جس طرح سے شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں بظاہر غم غلط کرنیوالی مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے بہتر غم غلط کرنیوالا اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے اور یہ صرف مومن کیلئے ہی مخصوص ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ

حضرت امام حسینؓ کی فضیلت کے بارہ میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ مخلوق پرست لوگ کبھی دانشمند نہیں ہو سکتے اور اب تو زمانہ بھی ایسا آ گیا ہے کہ علمی تحقیقوں اور نئی نئی ایجادات نے خود ہر شخص کے دل پر اثر ڈال رکھا ہے۔ اور لوگوں کو سمجھ آتی جا رہی ہے کہ ایسی باتیں محض خیالی اور وہمی ہیں۔

مغرب کی نماز با جماعت ادا کر چکنے کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے ایک قریشی صاحب کا جو مولانا صاحب کے زیر علاج تھے پیغام عرض کیا۔ کہ وہ آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن پاؤں کے مستوم ہونے کے باعث حاضر ہونے سے معذور ہے اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے دوسری صبح خود اس کے مکان پر جا کر ملنے کا وعدہ فرمایا۔ نماز عشاء پڑھ کر آپ اندر تشریف لے گئے۔

۱۱۔ اگست ۱۹۰۲ء

بعد ادائگی نماز فجر با جماعت حضرت مسیح موعودؑ سیر کیلئے تشریف لے گئے اور سب سے پہلے قریشی صاحب کے مکان پر حسب وعدہ گئے اور ان سے انکی مرض کے عام حالات دریافت فرماتے رہے جسکے بعد فرمایا کہ۔ میں نے آپ کی صحت کے لئے دعا کی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ نری دعائیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم نہ ہو۔ دیکھو۔ اہل حاجات لوگوں کو کس قدر تکالیف ہوتی ہیں مگر حاکم کے ذرا سے اشارہ اور توجہ سے وہ سب دور ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امر سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ میں دعا کی قبولیت کو اس وقت محسوس کرتا ہوں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور اذن ہو۔ کیونکہ اس نے اُدْعُوْنِیْ تو فرمایا ہے اور ساتھ ہی اس

کے استجاب کا کچھ ہے۔ دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی پیدا کرے اور اندر ہی اندر اللہ تعالیٰ سے صلح کرلے۔ اور اپنی دنیا میں آنے کی غرض کو معلوم کرنے کی کوشش کرے اور پھر یہ کہ کہاں تک اس نے وہ غرض پوری کی ہے۔ جب تک انسان اپنی بداعمالی اور بدکرداری سے اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض نہیں کرتا اس وقت تک وہ کسی تکلیف و مصیبت میں گرفتار نہیں ہوتا۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر رجوع برحمت کرتا ہے۔ اور معالج کو بھی علاج کی صحیح سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ بھی مشکل نہیں بلکہ اس کی تو شان یہ ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ ایک دفعہ میں نے ایک اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک ڈپٹی انسپکٹر پنسل سے ناخن کا میل نکال رہا تھا اس کے چبھ جانے سے اس کا ہاتھ ورم کر گیا۔ آخر کار یہاں تک زخم ترقی کر گیا کہ ڈاکٹر نے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا۔ اُس شخص نے ورم کو ایک معمولی بات سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح خود میں نے ایک دفعہ اپنی پنسل کو ناخن سے بنایا تو دوسرے دن جب میں سیر کرنے کے لئے گیا تو اُس ڈپٹی انسپکٹر کا خیال آگیا اور ساتھ ہی میرا ہاتھ متورم ہو گیا تب میں نے اُسی وقت خدا سے دعا کی جس پر شفا کا الہام ہو گیا۔ پھر جو ہاتھ کو دیکھا تو ورم وغیرہ دور ہو چکا تھا۔ غرض اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنا فضل کرتا ہے تو کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری شرط ہے کہ انسان اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرے۔ پھر جسے اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ وہ نافع وجود ہے تو اسکی زندگی اور عمر میں برکت اور ترقی دیدیتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے۔ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ۔ ایسا ہی پہلی کتب میں لکھا ہے۔ حزقیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ:۔ انسان بہت بڑے کام کے لئے بھیجا گیا ہے لیکن جب وقت آتا ہے اور وہ اس کام کو پورا نہیں کرتا تو خدا اس کا نام کام کر دیتا ہے۔ خادم کو ہی دیکھ لو کہ جب وہ ٹھیک کام نہیں کرتا تو آقا اُس کو الگ کر دیتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ اس وجود کو کیونکر قائم رکھے جو اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا۔

ہمارے والد بزرگوار مرزا صاحب پچاس برس تک علاج کرتے رہے ان کا قول تھا کہ اُن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کو کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا۔ سچ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے اذن کے بغیر ہر ایک ذرہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کبھی مفید نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تو یہ استغفار بہت کرنی چاہئے تا خدا تعالیٰ

اپنا فضل کرے۔ جب اس کا فضل آتا ہے تو دعا بھی قبول ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ دعا قبول کروں گا۔ اور کبھی فرمایا کہ میری قضا و قدر مانو۔ اس لئے میں تو جب تک خدا کا اذن نہ ہو۔ دعا کی قبولیت کی کم امید رکھا کرتا ہوں۔ انسان نہایت ہی ناتوان اور بے بس ہستی ہے۔ اس لئے اُسے ہر وقت خدا کے فضل پر نگاہ رکھنی چاہیئے۔

چوہدری عبداللہ خاں صاحب نمبردار بہلولپور نے عرض کی کہ حکام اور برادری سے کیسا سلوک کیا جائے؟ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔ ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ سب سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی سچی اطاعت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ رعایا کی حفاظت کرتے ہیں اور رعایا کا جان و مال اُن کے ذریعہ سے امن میں ہوتا ہے۔ برادری کے ساتھ بھی نیک سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیئے کیونکہ برادری کے بھی حقوق انسان پر ہیں۔ البتہ جو لوگ متقی نہیں اور بدعات اور شرک میں گرفتار ہیں اور ہمارے مخالف ہیں اُن کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیئے تاہم اُن سے نیک سلوک کرنا ضروری ہے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک انسان سے نیکی کرو۔ جو شخص دنیا میں کسی سے نیکی نہیں کر سکتا وہ آخرت میں کیا اجر لیگا۔ اس لئے سب لوگوں کے لئے نیک اندیش ہونا چاہیئے ہاں مذہبی امور میں اپنے آپ کو بچانا چاہیئے۔ جس طرح پر ایک طبیب ہر ایک مریض کی خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی یا کوئی اور ہو اچھی طرح تشخیص کر کے اس کا علاج کرتا ہے۔ اسی طرح سب کو نیکی کرنے میں عام اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت نبی کریمؐ کے وقت میں کفار کو قتل کر دیا گیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی شرارتوں اور ایذا رسانیوں کے سبب سے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی وجہ سے اس بات کے مجرم ہو چکے تھے کہ ان کو ان جرائم کی سزا دی جائے۔ اس لئے جو سزا کفار کو ملی وہ مجرم ہونے کی حیثیت سے تھی نہ کہ اختلاف مذہب کے سبب سے۔ محض انکار اگر سادگی سے ہو اور اس کے ساتھ شرارت اور ایذا رسانی نہ ہو۔ تو وہ اس دنیا میں عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔

رشوت کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ رشوت ہرگز نہیں دینی چاہیئے اور یہ سخت گناہ ہے۔ لیکن میں رشوت کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ جس سے گورنمنٹ یا دوسرے لوگوں کے حقوق تلف کئے جائیں۔ اور میں ایسی بات سے سخت منع کرتا ہوں اور ایسے طور پر کہ جس سے کسی کے حقوق کا تلف کرنا مدنظر نہ ہو بلکہ اپنی حق تلفی اور شر سے بچنا مقصود ہو کوئی نذرانہ یا ڈالی دیدینی میرے نزدیک منع نہیں اور میں اس کا نام رشوت نہیں رکھتا۔ کسی کے ظلم سے بچنے کو شریعت منع

نہیں کرتی بلکہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ فرمایا ہے۔

خانصاحب نواب خاں صاحب جاگیردار مالیر کوٹلہ نے ایک شخص کا ذکر کیا جو ارادت کا اظہار کرتا اور چاہتا ہے کہ اس کی توجہ نماز کی طرف ہو جائے۔ اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے ایسی شرطیں کیوں پیش کرتے ہیں پہلے خود کوشش کرنی چاہئے کیونکہ قرآن میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ اگر وہ خود کوشش کرنا چاہتے ہیں تو ایک مہینہ تک یہاں آکر رہیں کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ یہاں رہ کر وہ نماز پڑھنے والوں کو دیکھیں گے اور ہماری باتیں سنیں گے تو اُن کی توجہ نماز کی طرف ہو جائے گی۔ خدا تعالیٰ تو غنی ہے۔ اگر ساری دنیا اس کی عبادت نہ کرے تو اس کو کیا پرواہ ہے۔ ہزاروں موتیں انسان قبول کرے تو خدا کو خوش کر سکتا ہے خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرنی چاہئے یہ اچھا طریق نہیں

احادیث کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ اوّل وہ جو صراحتاً بلا تاویل ہماری مؤید اور معاون ہیں جیسے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ فَاَمُّکُمْ مِنْکُمْ۔ لَا مَھْدِیَّ اِلَّا عِیْسٰی۔ وغیرہ اور دوم کچھ اس قسم کی ہیں جو ہمارے مخالف پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ذرا سی توجہ سے اُن کا مضمون اور مفہوم ہمارے مطابق ہو جاتا ہے اور بعض بالکل محرف و مبدل اور قرآن شریف کے منشاء کے خلاف اقوال مردودہ ہیں ہم اُن کو رد کر دیں گے۔

خدا کی آواز کے بارہ میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی آواز تو ہمیشہ آتی ہے مگر مُردوں کی کبھی نہیں آتی اگر کبھی کسی مُردے کی آواز آتی ہے تو خدا کی معرفت یعنی خدا تعالیٰ کوئی خبر اُن کے متعلق دے دیتا ہے اصل بات یہ ہے کہ کوئی شخص ہو خواہ وہ نبی ہو یا صدیق۔ یہ حال ہے کہ ؎

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

اللہ تعالیٰ ان کے اور اُن کے اہل و عیال کے درمیان ایک حجاب رکھ دیتا ہے اور اُن سب کے تعلقات اس دنیا سے قطع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا۔ فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ۔

اصحاب کہف کے بارہ میں فرمایا کہ ان کا قصہ ہماری راہ میں نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے ان کو اتنی مدت سلایا ہو۔ اور پھر جگایا ہو تو ہمارا کوئی ہرج نہیں۔ مسیح کی وفات سے اس کو کیا تعلق۔ مسیح کے لئے کہاں قرآن میں وفود کا لفظ آیا ہے۔

امام حسینؓ پر فضیلت کے بارہ میں فرمایا کہ ان پر میری فضیلت سن کر یونہی غصہ میں آجاتے ہیں۔ قرآن کریم نے کہاں امام حسین کا نام لیا ہے۔ زید کا ہی نام لیا ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی۔

تو چاہیئے تھا کہ امام حسین کا نام بھی لے دیا جاتا۔ اور پھر مَا مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ کہہ کر اور بھی ابوت کا خاتمہ کر دیا۔ اگر اِلَّا حُسَیْنٌ اس آیت کے ساتھ کہہ دیا جاتا تو شیعہ کا ہاتھ کہیں تو پڑ جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے لاپرواہ ہوتے ہیں۔ ان کی تمنا بھی یہ نہ تھی ورنہ اللہ تعالیٰ انبیوں کی تمنا بھی پوری کر دیتا ہے۔

نماز ظہر سے قبل حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کیا عیسائیوں کے ساتھ کھانا اور معانقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں۔ یہ غیرت ایمانی کے خلاف ہے کہ وہ لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ہم اُن سے معانقہ کریں۔ قرآن شریف ایسی مجالس میں بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے۔ جہاں اللہ اور اس کے رسول کی باتوں پر ہنسی اڑائی جاتی ہو۔ اور پھر یہ لوگ خنزیر خور ہیں ان کے ساتھ کھانا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی ماں بہن کو گالیاں دے تو کیا وہ روا رکھے گا کہ اس کے ساتھ مل کر بیٹھے اور اس سے معانقہ کرے پھر جب یہ بات نہیں تو خدا اور رسول کے دشمنوں اور گالیاں دینے والوں سے کیوں اس کو جائز رکھا جائے۔

نماز عصر آپ نے باجماعت ادا فرمائی کوئی قابل ذکر امر نہ ہوا۔ بعد ادائے نماز مغرب حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ قرآن شریف کے ایک مقام پر غور کرتے کرتے رسول اللہ صلعم کی بڑی عظمت اور کامیابی معلوم ہوئی جس کے مقابل میں حضرت مسیحؑ بہت ہی کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں ہے کہ نزول مائدہ کی درخواست جب حواریوں نے کی تو وہاں صاف لکھا ہے۔ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس قدر معجزات مسیح کے بیان کئے جاتے ہیں اور جو حواریوں نے دیکھے تھے۔ ان کے بعد حواریوں کا یہ درخواست کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے قلوب پہلے مطمئن نہ ہوئے تھے ورنہ یہ الفاظ کہنے کی ان کو کیا ضرورت تھی۔ وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا۔ مسیح کی صداقت میں بھی اس سے پہلے کچھ شک ہی ساتھا اور وہ اس جھاڑ پھونک کو معجزہ کی حد تک نہیں سمجھتے تھے۔ انکے مقابلہ میں صحابہ کرام ایسے مطمئن اور قوی الایمان تھے کہ قرآن شریف نے انکی نسبت رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ فرمایا۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ ان پر سکینت نازل فرمائی۔

یہ آیت مسیحؑ کے معجزات کی حقیقت کھولتی ہے۔ اور رسول اللہ کی عظمت قائم کرتی ہے۔ قرآن شریف میں صحابہؓ کا کہیں ذکر نہیں۔ کہ اُنہوں نے کبھی یہ کہا ہو۔ کہ وہ اطمینان قلب چاہتے ہیں۔ بلکہ صحابہؓ کا یہ حال تھا۔ کہ ان پر سکینت نازل فرمائی۔ اور یہود کا یہ حال کہ یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم ان کی حالت بتائی۔ یعنی رسول اللہ کی صداقت یہاں تک کھل گئی تھی۔ کہ مخالف یہود بھی آپؐ کو اپنے بیٹوں کیطرح شناخت کرتے تھے۔ اور نصاریٰ کا یہ حال کہ آپؐ کو دیکھتے ہی اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔ یہ مراتب حضرت مسیحؑ کو کہاں نصیب ہوئے تھے۔

اس تقریر پر ایک دوست نے عرض کی۔ کہ حضور حضرت ابراہیمؑ نے بھی احیاء موتیٰ کی کیفیت کے متعلق اطمینان چاہا تھا۔ کیا اُن کو بھی پہلے اطمینان نہ تھا اس پر حضرت مسیحؑ موعود نے فرمایا کہ:۔

اصل بات یہ ہے۔ کہ انبیاءؑ اللہ تعالےٰ کے مکتب میں تعلیم پانے والے ہوتے ہیں۔ اور وہ تلامیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے۔ اسی لئے رسولؐ اللہ کے بارے میں قرآن شریف میں آیا ہے۔ کذالک لنثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلا۔ پس میں اس بات کو خوب جانتا ہوں۔ کہ انبیاء کی حالت کیسی ہوتی ہے جس دن نبی مامور ہوتا ہے۔ اُس دن اور اُس کی نبوت کے آخری دن میں ہزاروں کوس کا فرق ہوجاتا ہے۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ نے ایسا کہا۔ ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے۔ جس کی نسبت قرآن شریف نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ ابراھیم الذی وفّیٰ۔ واذ ابتلےٰ ابراھیم ربہ بکلمٰت فاتمھن پھر یہ اعتراض کس طرح پر ہو سکتا ہے۔ کیا ایک بچہ مثلاً مبارک احمد (صاحبزادہ مرحوم) جو آج مکتب میں بٹھایا جائے۔ وہ ایک ایم۔ اے یا بی۔ اے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی بھی حالت ہوتی ہے۔ کہ اُن کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ دیکھو۔ براہین احمدیہ میں باوجودیکہ خدا تعالےٰ نے وہ تمام آیات جو حضرت مسیحؑ سے متعلق ہیں۔ میرے لئے نازل کی ہیں۔ اور میرا نام مسیحؑ رکھا۔ اور آدم داؤد۔ سلیمان۔ غرض تمام انبیاءؑ کے نام رکھے۔ مگر مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ میں ہی مسیح موعودؑ ہوں۔ جب تک خود اللہ تعالےٰ نے اپنے وقت پر یہ راز نہ کھول دیا۔ حواریانِ مسیحؑ نے جو اطمینانِ قلب چاہا ہے۔ وہ ان سب نشانات کے بعد ہے

جو وہ دیکھ چکے تھے۔ اس لئے وہ اس اعتراض کے نیچے ہیں۔ کہ اُن کو ضرور مسیح کے بارے میں شک تھا۔"

اس تقریر کے بعد مفتی محمد صادق صاحب نے امریکہ کے ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کا خلاصہ حضرت مسیح موعود کی خدمت میں سنایا۔ اور اُس کے سُن چکنے کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ :-

سورہ مائدہ کی آیت فلما توفیتنی پر آج پھر غور کرتے ہوئے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ حضرت مسیح سے یہ سوال ہُوا۔ کہ کیا تو نے کہا تھا۔ کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ بناؤ۔ تو وہ اپنی بریت کے لئے جواب دیتے ہیں۔ کہ میں نے تو وہی تعلیم دی تھی۔ جو تو نے مجھے دی تھی۔ اور جب تک میں اُن میں رہا۔ میں اُن کا نگران تھا۔ اور جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ تو تُو اُن پر نگران تھا۔ اب اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر مسیحؑ دوبارہ دنیا میں آئے تھے۔ اور یہ سوال ہُوا تھا۔ قیامت میں۔ تو اسکا جواب نفی میں نہیں ہونا چاہئے تھا۔ بلکہ اُن کو تو یہ جواب دینا چاہئے تھا۔ کہ ہاں بے شک میرے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد اُن میں شرک پھیل گیا تھا۔ لیکن پھر دوبارہ جا کر تو مَیں نے صلیبوں کو توڑا۔ فلاں کافر کو مارا۔ فلاں کو ہلاک کیا۔ اور فلاں کو تباہ کیا نہ یہ کہ وہ یہ جواب دیتے ہیں وکنت علیھم شھیدًا مادمت فیھم۔ اس جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ کو ہرگز ہرگز خود دنیا میں نہیں آنا ہے اور یہ نص ہے اُن کے عدم نزول پر۔

۱۲ اگست ۱۹۰۲ء

بعد ادائے نماز شام حضرت مسیح موعودؑ نے مجلس احباب میں فرمایا کہ :-

چونکہ یہ کتاب نزول المسیح تمام مسائل کی جامع کتاب بنانی چاہتا ہوں۔ اس لئے میرا ارادہ ہے۔ کہ ہمارے چند احباب میری کتابوں کے مضامین کی ایک ایک فہرست بنا دیں۔ تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ کون کون سے مضامین اُن میں آچکے ہیں۔

بعد ازاں اڈیٹر الحکم نے الحکم ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب کا ایک خط بنام مولوی عبدالرحمٰن صاحب سکنہ لکھوکے کے نام حضرت صاحب کے ایماء سے لکھا گیا تھا اور جس میں دعوے کیا گیا تھا۔ کہ اگر حضرت صاحب کے خلاف نام لے کر کوئی مخالف الہام پیش کرے گا۔ تو ہلاک ہو جائیگا۔

بعد ازاں مولوی عبدالکریم صاحب نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی۔ کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کا ایک تازہ رسالہ آیا ہے۔ جسمیں اُس نے "چینیاں والی مسجد میں قیامت" کے عنوان سے ایک مضمون مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے خلاف لکھا ہے۔ اُس میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ ہم اسے پرانٹ آف قادیان کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی اُس کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں چنانچہ اس کے نیچے پھر کفر کا فتویٰ مرتب کیا ہے۔ اسپر حضرت مسیح موعودؑ نے دریافت فرمایا کہ:۔

وجوہ کفر کیا ہیں؟ اس پر عرض کی گئی۔ کہ وجوہ کفر یہ دی گئی ہیں۔ کہ مولوی چکڑالوی کہتا ہے کہ حدیث کی کچھ ضرورت نہیں۔ بلکہ حدیث کا پڑھنا ایسا ہے جیسا کہ کُتے کو ہڈی کا چسکا ہو سکتا ہے۔ اور رسولؐ اللہ کا درجہ قرآن کے لانے میں اس سے بڑھ کر نہیں۔ جیسا کہ ایک چپڑاسی یا مذکوری کا درجہ پروانہ سرکاری لانے میں ہوتا ہے۔ اُس پر حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

ایسا کہنا کفر ہے۔ یہ شخص رسولؐ اللہ کی بڑی بے ادبی کرتا ہے۔ احادیث کو ایسی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ کفار تو اپنے بُتوں کے منتر جنتر یاد رکھتے ہیں۔ تو کیا مسلمان اپنے رسولؐ کی باتوں کو یاد نہ رکھیں۔ قرآن شریف کے پہلے سمجھنے والے رسولؐ اللہ ہی تھے۔ آپؐ خود اُس پر عمل کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں کو اُس پر عمل کرواتے تھے۔ اِسی کا نام سُنت ہے اور اسی کو تعامل کہتے ہیں۔ بعد میں ائمہ نے نہایت محنت اور جانفشانی کے ساتھ اُس سُنت کو الفاظ میں لکھ کر جمع کر لیا۔ اور اُس کے متعلق خوب تحقیقات کی اور چھان بین کی۔ اس کا نام احادیث ہے۔ دیکھو۔ بخاری اور مسلم نے کس قدر محنت کی ہے

آخر ان لوگوں نے خود اپنے باپ دادوں کے حالات تو نہیں لکھے۔ بلکہ جہاں تک ان کا بس چلا۔ انہوں نے صحت اور صفائی کے ساتھ آنحضرتؐ کے اقوال اور افعال یعنی سنت کو جمع کر لیا۔ اور اکثر احادیث مثلاً بخاری کے پڑھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسمیں برکت اور نور ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ باتیں ضرور آنحضرتؐ کے دہن مبارک سے نکلی ہیں۔ مثلاً امامکم منکم کی حدیث کیسے صاف طور پر ظاہر کرتی ہے۔ کہ آنے والا مسیح تم میں سے ہوگا۔ اور یہ عیسائیوں کا رد ہے۔ کیونکہ وہ فخر کرتے تھے۔ کہ عیسیٰ پھر دوبارہ دنیا میں آئیگا۔ اور دین عیسوی کو بڑھائیگا۔ لیکن آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ آپؐ نے اسکو آسمان پر دیگر فوت شدہ انبیاء میں دیکھا۔ اور پھر فرمایا۔ کہ جو آنے والا مسیح ہے۔ وہ امامکم منکم ہوگا۔ غرض احادیث کے متعلق ایسا کلمہ نہیں بولنا چاہیئے۔ ہاں اس معاملہ میں غلو کی حد تک بھی نہیں جانا چاہیئے۔ کہ ان کو قرآن اور تعامل سے بڑھکر سمجھ لیا جائے بلکہ جو کچھ قرآن اور سنت کے مطابق حدیث میں ہو۔ اسے مان لینا چاہیئے۔ کیونکہ جب احادیث کی کتابیں موجود نہ تھی۔ تب بھی لوگ نمازیں پڑھتے تھے۔ اور تمام شعائر اسلام بجا لاتے تھے پس قرآن شریف کے بعد تعامل یعنی سنت ہے۔ اور پھر حدیث ہے۔ جو ان دونوں کے مطابق ہو۔

مولوی محمد حسین صاحب نے پہلے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں ایسا ظاہر کیا تھا۔ کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ سے وحی اور الہام پاتے ہیں۔ وہ اپنے طور پر براہ راست حضرت نبی کریم صلعم سے احادیث کی صحت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت قواعد علم حدیث کے رو سے ایک حدیث موضوع ہوتی ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کے نزدیک وہ صحیح ہوتی ہے۔ اور ایک حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ لیکن اولیاء اللہ کے نزدیک وہ موضوع ہوتی ہے۔ غرض بات یہ ہے۔ کہ قرآن سنت اور حدیث تین مختلف چیزیں ہیں۔

اتنی تقریر کے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے اپنا پرانا خواب مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق بیان فرمایا۔ جو سراج منیر کے آخیر میں درج ہے۔ اور پھر فرمایا کہ:۔ یہ بات ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء کی ہے۔ جب ہم نے رؤیا دیکھا تھا۔ کہ ہم نے

جماعت کرائی ہے۔ اور نماز عصر کا وقت ہے۔ اور ہم نے قرأت پہلے بلند آواز سے کی ہے۔ پھر ہم کو یاد آگیا۔ اور اسکے بعد ہم نے محمد حسین سے کہا۔ کہ ہم خدا کے سامنے جائینگے۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہر بات میں صفائی ہو جائے۔ اگر ہم نے آپکے متعلق کچھ سخت الفاظ کہے ہوں۔ تو آپ معاف کر دیں۔ اُس نے کہا۔ مَیں معاف کرتا ہوں۔ پھر ہم نے کہا۔ کہ ہم بھی معاف کرتے ہیں۔ پھر ہم نے دعوت کی اور اسنے عذر خفیف کے ساتھ اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اور ایک شخص سلطان بیگ نام چبوترہ پر قریب المرگ تھا۔ اور ہم نے کہا۔ کہ ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ اسکے مرنے کے وقت یہ واقعہ ہو۔ اور ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ بہاء الدین کے مرنے کے وقت یہ بات ہو۔ اس خواب کے بیان کر چکنے کے بعد آپنے فرمایا کہ:۔ وَاللّٰہ اعلم بالصواب۔ خواب میں تعینات شخصیہ ضروری نہیں۔ اسکے بعد آپنے مولوی محمد حسین صاحب کی ان دنوں کی حالت کا ذکر کیا۔ جب بات بات میں خاکساری دکھاتا۔ اور قدم قدم پر اخلاص کا اظہار کرتا تھا۔ اور جوتے اُٹھا کر جھاڑ کر سامنے رکھتا تھا۔ اور وضو کرواتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ اسے مولویت نہیں چاہیئے۔ اگر آپ اجازت دیں۔ تو قادیاں آ رہوں۔ آپنے فرمایا کہ:۔

بعض اوقات کسی گذشتہ وقت کا اخلاص اور خدمت انسان کے کام آجاتی ہے شاید ان وقتوں کی خدمت اور اخلاص ہی ہو۔ جو بالآخر مولوی محمد حسین صاحب کو اس سلسلہ کیطرف رجوع کرنے کی توفیق دیدے۔ کیونکہ وہ بہت ٹھوکریں کھا چکا ہے۔ اور دیکھ چکا ہے۔ کہ خدا کے کاموں میں کوئی شخص خارج نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا۔ کہ ایسا ہی اجتہادی طور پر ہمیں بعض دوسرے لوگوں پر بھی یہ حسن ظن ہے۔ کہ وہ کسی وقت رجوع کریں۔ کیونکہ ایک دفعہ مجھے الہام ہوا تھا۔ کہ لاہور میں ہمارے پاک ممبر ہیں۔ وسوسہ پڑ گیا ہے۔ پر مٹی لطیف ہے۔ وسوسہ نہیں رہیگا۔ مٹی رہیگی۔ بعد ادائے نماز عشاء آپ اندر تشریف لیگئے۔

۱۳ اگست ۱۹۰۲ء

بعد مغرب حضرت مسیح موعودؑ نے نزول المسیح کتاب کی تکمیل کے متعلق تجاویز پر گفتگو فرماتے ہوئے گذشتہ یوم کی تجویز پر مزید ارشاد فرمایا کہ:۔

بہت ہی بہتر ہو۔ اگر مخالفین کی کل کتابیں جمع کر کے ان کے اہم اعتراضات کو یک جا کر لیا جائے۔ تاکہ اُن کا جواب بھی ہماری اس کتاب میں آجاوے۔ اور یہ کتاب تمام مسائل کی جامع ہو جائے۔

اسکے بعد مولوی عبدالکریم صاحب نے اس چٹھی کے مضمون کا تتمہ پڑھکر سنایا۔ جو مقابلہ کیلئے حضرت اقدسؑ کی طرف سے امریکہ کے مفتری ڈاکٹر ڈوئی کو لکھی گئی تھی۔ اس چٹھی کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار وہ امر کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو مختلف اقوام میں بطور امر مشترک ہو۔ مثلاً سلب امراض کا طریق۔ جسپر ڈاکٹر ڈوئی اپنے اخبار میں بڑی لاف زنی کیا کرتا ہے۔ کہ اسکے ذریعہ سے فلاں شخص صحتیاب ہو گیا۔ اور فلاں تندرست ہو گیا۔ یہ طریق اس قسم کا ہے۔ کہ اسکے لئے راستباز اور متقی ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ چہ جائیکہ یہ کسی شخص کے مامور ہونے پر گواہ ہو سکے۔ کیونکہ سلب امراض کا طریق ہندوؤں۔ یہودیوں اور عیسائیوں میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ اور مسلمانوں میں بھی لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ جس زمانہ میں سلب امراض کے معجزات دکھایا کرتے تھے۔ اس وقت بعض یہودی بھی اسی قسم کے کام کرتے تھے۔ اور ایک تالاب بھی اُس زمانہ میں ایسا تھا جسمیں غسل کرنے سے بعض مریض شفایاب ہو جایا کرتے تھے۔ اسکے بعد حضرت مسیح موعودؑ نے صادق اور کاذب میں فرق کرنے کا ایک طریق تحریر فرمایا۔ کہ کچھ بیمار لیکر بطور قرعہ اندازی کے اُن کو فریقین میں تقسیم کر لیا جائے۔ اور پھر ہر دو ان کی صحت کے لئے دعا کریں۔ ایسی صورت میں یقینی امر ہے کہ صادق کے حصہ کے مریض بمقابلہ کاذب کے زیادہ تعداد میں صحتیاب ہونگے۔ پھر آپنے لکھا۔ کہ اس طریق کو آپ نے اپنے ملک کے مخالفین کے مقابلہ میں بھی پیش کیا ہے۔ لیکن آجتک کوئی شخص اس مقابلہ کیلئے مقابل نہیں آیا۔ پھر جملہ مسلمانوں کی تباہی کی پیشگوئی کے بارے میں لکھا۔ کہ کل مسلمانوں کو ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ سارے مسلمانوں کا خیال چھوڑ کر صرف آپ کے مقابلہ پر آئے۔ کیونکہ سب مسلمانوں سے بڑھکر آپ عیسائیوں کے فرضی خدا سے کراہت اور نفرت رکھتے ہیں۔ یہانتک کہ اگر تمام مسلمانوں کی عیسائیوں کے

خدا سے نفرت کو ترازو کے ایک پلہ میں رکھا جائے۔ اور آپکی نفرت دوسرے پلّہ میں۔ تو آپ کا پلّہ ہی بھاری ثابت ہوگا۔ اور آپ ایسے شخص کو جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہو کر خدائی کا دعوےٰ کرے بہت ہی بڑا گنہگار اور ناپاک انسان سمجھتے ہیں۔ لیکن ہاں آپکا یہ مذہب ہے۔ کہ مسیح ابن مریم رسولؑ اس ناپاک الزام سے بری ہے۔ اسنے کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا۔ میں اسے اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں اگرچہ خدا تعالےٰ کا فضل مجھ پر اس سے بہت ہی زیادہ ہے۔ اور وہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کے کام سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔ تاہم میں اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں۔ اور میں نے اسے بارہا دیکھا ہے۔ چنانچہ ایک بار میں نے اور حضرت مسیحؑ نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا۔ اسلئے میں اور وہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔ غرض اس طرح پر حضرت صاحب نے بلحاظ اپنے کام اور ماموریت کے اور خدا تعالےٰ کے ان فضلوں اور احسانوں کے جو آپکے شامل حال ہیں۔ تحدیث بالنعمۃ اور تبلیغ کے طور پر ذکر فرمایا۔ اور یہانتک لکھدیا۔ کہ میں خدا سے ہوں۔ اور مسیح مجھ سے ہے۔ ان امور کے پیش کرنے کے بعد آپنے دوبارہ نہایت پُرشوکت تحدی کے ساتھ اسے مقابلہ کی دعوت دی۔ اور لکھا۔ کہ اگر وہ سچا ہے۔ تو اسے چاہیئے کہ میرے مقابلہ میں نکلے اور یہ دعا کرے۔ کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے۔ وہ صادق کے سامنے ہلاک ہو۔ یہ ڈوئی کے نام کی چٹھی کا خلاصہ تھا۔

آج صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کے ایک کبوتر کو بلّی نے پکڑ لیا۔ جسے ذبح کر لیا گیا۔ اسپر حضرت مسیح موعود نے فرمایا۔ کہ :۔

اس وقت میرے دل میں تحریک ہوئی۔ کہ گویا عیسائیوں کے خدا کو ہم نے ذبح کر کے کھا لیا ہے۔ انگریز بھی کبوتر کا شکار کیا کرتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی قربانیوں میں بھی شاید اس کا تذکرہ ہے۔ بہرحال کبوتر ہمیشہ کھائے جاتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں یہ کہو۔ کہ عیسائیوں کے خدا ذبح ہوتے ہیں۔ کیا یہ بھی کفارہ تو نہیں (الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹) ہفتہ مختتمہ۔

۱۷ اگست ۱۹۰۲ء

حضرت مسیح موعود ؑ نے فرمایا کہ :۔

سورۃ فاتحہ اس لئے اللہ تعالےٰ نے پیش کی ہے اور اس میں سب سے پہلی

صفت رَبِّ الْعٰلَمِیْن بیان کی ہے۔ جس میں تمام مخلوقات شامل ہے۔ اسی طرح پر ایک مومن کی ہمدردی کا میدان سب سے پہلے اتنا وسیع ہونا چاہیئے۔ کہ تمام چرند پرند اور کل مخلوق اسمیں آجائے۔ پھر دوسری صفت رحمٰن کی ہے۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے۔ کہ تمام جاندار مخلوق سے خاص طور پر ہمدردی کرنی چاہیئے۔ اور پھر رحیم میں اپنی نوع سے ہمدردی کا سبق ہے۔ غرض اس سورۃ میں جو اللہ تعالےٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ گویا اللہ تعالےٰ کے اخلاق ہیں۔ جن سے بندے کو حصہ لینا چاہیئے۔ اور وہ اسطرح سے ہے۔ کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے۔ تو اس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہیئے۔ کسی دوسرے شخص سے خواہ وہ رشتہ دار ہو یا عزیز یا بیگانہ ہرگز بیزاری ظاہر نہ کی جائے۔ اور اس سے ایک اجنبی کیطرح سلوک نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ان حقوق کی نگہداشت کرنی چاہیئے۔

..... جو لوگوں کے تم پر ہیں۔ اور جس شخص کے ساتھ قرابت ہے۔ اور اسکا کوئی حق تمہیر ہے۔ تو اسکو پورا کرنا چاہیئے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے یہانتک اپنے اخلاق کا اعلےٰ نمونہ دکھایا ہے۔ کہ بعض وقت ایک مسلمان بیٹے کے لحاظ سے جو سچا مسلمان تھا۔ اسکے منافق باپ کا جنازہ بھی پڑھ دیا۔ بلکہ اسکی میت کے لئے اپنا کرتہ مبارک بھی دیدیا۔ اخلاق کا درست کرنا بڑا مشکل کام ہے جبتک انسان اپنا مطالعہ نہ کرتا رہے۔ اسکے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ زبان کی بد اخلاقیاں انسانوں میں باہمی دشمنی پیدا کردیتی ہیں۔ اسلئے ہمیشہ اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔ دیکھو۔ کوئی ایسے شخص کے ساتھ دشمنی نہیں کرسکتا۔ جسے وہ اپنا خیرخواہ سمجھتا ہے۔ پھر وہ شخص کیسا بے وقوف ہے جو خود اپنے نفس پر بھی رحم نہیں کرتا۔ اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈالدیتا ہے۔ جبکہ وہ اپنے قویٰ سے عمدہ کام نہیں لیتا اور اپنی اخلاقی قوتوں کی تربیت نہیں کرتا۔ ہر ایک شخص کے ساتھ نرمی اور خوشی اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے۔ البتہ وہ شخص جو سلسلہ عالیہ یعنی دین اسلام سے علانیہ باہر ہوگیا ہے۔ اور وہ گالیاں نکالتا اور خطرناک دشمنی کرتا ہے۔ اس کا معاملہ اور ہے۔ جیسے صحابہ کرام کو مشکلات پیش آئیں کہ اسلام کی توہین جب انہوں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے سنی۔ تو پھر باوجود تعلقات قریبیہ کے اُن کو اسلام مقدم کرنا پڑا۔

اور ایسے واقعات پیش آئے جنمیں باپ نے اپنے بیٹے کو یا بیٹے نے اپنے باپ کو محض خدا کی رضامندی کیلئے قتل کر دیا۔ اسلئے ضروری ہے کہ مراتب کا لحاظ رکھا جائے۔ ۵ گر حفظ مراتب نکنی زندیقی۔ ایک شخص ایسا ہے جو اسلام کا سخت دشمن ہے۔ اور رسول اللہ کو گالیاں دیتا ہے۔ وہ اس قابل ہے۔ کہ اس سے بیزاری اور نفرت ظاہر کی جائے لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کا ہو کہ وہ اپنے اعمال میں مست ہے۔ تو وہ اس قابل ہے کہ اسکے قصور سے درگذر کیا جاوے۔ اور اس سے ان تعلقات پر زد نہ پڑے۔ جو وہ تم سے رکھتا ہے۔ جو لوگ بالجہر دشمن ہو گئے۔ ان سے رسول اللہ صلعم نے دوستی نہیں کی۔ بلکہ ابوجہل کا سر کٹ جانے پر سجدہ شکر ادا فرمایا۔ لیکن جو آپکے دوسرے عزیز تھے۔ جیسے حضرت امیر حمزہ جن پر ایک وحشی نے حربہ چلایا تھا۔ تو باوجود حملہ آور کے مسلمان ہونے کے آپنے اسے فرمایا۔ کہ آپ کی نظر سے الگ چلا جائے۔ کیونکہ وہ واقعہ آپ کو یاد آگیا۔ اسی طرح پر دوست دشمن میں پوری تمیز کر لینی چاہیئے۔ اور پھر ان سے علی قدر مراتب نیکی کرنی چاہیئے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ اندرونی طور پر ساری جماعت ایک درجہ پر نہیں ہوتی۔ کیا ساری گندم تخم ریزی سے ایک ہی طرح نکل آتی ہے؟ نہیں۔ بلکہ بہت سے دانے ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کو چڑیاں کھا جاتی ہیں۔ بعض کسی اور طرح قابل ثمر نہیں رہتے۔ غرض انمیں سے جو ہونہار ہوتے ہیں۔ ان کو کوئی ضائع نہیں کر سکتا۔ خدا تعالےٰ کے لئے جو جماعت طیار ہوتی ہے۔ وہ بھی کنزرع ہوتی ہے۔ اس لئے اس اصول پر اسکی ترقی ضروری ہے۔ پس یہ دستور ہونا چاہیئے۔ کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جائے۔ اور ان کو طاقت دی جائے۔ یہ کسقدر نامناسب بات معلوم ہوتی ہے کہ دو بھائی ہوں جنمیں سے ایک تو تیرنا جانتا ہے۔ لیکن دوسرا نہیں۔ تو کیا۔ اول الذکر کا یہ فرض ہونا چاہیئے۔ کہ وہ موخر الذکر کو ڈوبنے سے بچائے۔ یا اسے ڈوبنے دے اس کا فرض ہے۔ کہ دوسرے بھائی کو غرق ہونے سے بچائے اسی لئے قران شریف میں آیا ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى۔ کمزور بھائیوں کا بار اٹھاؤ۔ انکی علمی ایمانی اور مالی کمزوریوں میں بھی شریک ہو جاؤ۔ انکی بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں بن سکتی۔ جبتک کہ انمیں سے طاقتور لوگ کمزوروں کو

سہارا نہ دیں۔ اور اسکی یہی صورت ہے۔ کہ انکی پردہ پوشی کی جائے صحابہؓ کو یہی تعلیم دی گئی تھی۔ کہ نئے مسلمان ہونے والوں کی کمزوریاں دیکھکر نہ چڑو۔ کیونکہ تم بھی کسی وقت ایسے ہی کمزور تھے۔ اسی طرح یہ ضروری امر ہے۔ کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے۔ اور اُسکے ساتھ محبت وملائمت کا برتاؤ کرے۔ . . . . . .

. . . . . .

خوب یاد رکھو۔ وہ جماعت جماعت نہیں ہوسکتی۔ جو ایک دوسرے کو کھائے۔ اور جب چار مل کر بیٹھیں تو اپنے ایک غریب بھائی کا گلہ کریں۔ اور اسپر نکتہ چینیاں کرتے رہیں۔ اور اپنے میں سے کمزوروں اور غریبوں سے نفرت کریں۔ اور اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ بلکہ چاہیئے۔ کہ اجماع میں قوت آجائے۔ اور وحدت پیدا ہو جائے۔ جس سے محبت بڑھتی اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔ کہ ذرا ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ مخالف لوگ جو ہماری ذرہ ذرہ سی حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ معمولی باتوں کو اخبارات میں بڑھا چڑھا کر پیش کر دیتے ہیں۔ اور خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہماری جماعت میں اندرونی کمزوریاں نہ ہوں۔ تو کیوں کسی غیر کو جرأت ہو۔ کہ ہماری جماعت کے خلاف مخالفانہ مضامین شائع کرے اور اُن کے ذریعہ سے لوگوں کو دھوکا دے۔ یہ کیوں نہیں کیا جاتا۔ کہ اپنی اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جائے۔ اور یہ تب ہی ہوتا ہے۔ کہ جب ہمدردی۔ محبت۔ عفو اور کرم کو عام کیا جائے۔ اور دوسری تمام عادتوں پر رحم اور ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جائے ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں۔ جو دل شکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں۔ یہاں مدرسہ ہے۔ مطبع ہے۔ لیکن کیا اصل اغراض ہمارے یہی ہیں۔ یا یہ اصل امور اور مقاصد کیلئے بطور خادم ہیں؟ کیا ہماری غرض اتنی ہی ہے۔ کہ یہ لڑکے پڑھکر نوکریاں کریں۔ یا کتابیں بیچتے رہیں؟ یہ تو سفلی امور ہیں۔ ان سے ہمیں کیا تعلق۔ یہ بالکل ابتدائی امور ہیں۔ اگر مدرسہ چلتا رہے۔ تب بھی بنظر ظاہر بیس برس تک بھی یہ اُس حالت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو اِس وقت علی گڑھ کالج کی ہے۔ یہ امر دیگر ہے۔ کہ اگر خدا چاہے۔ تو ایک دم میں

اسے علی گڑھ کالج سے بھی بڑا بنا دے۔ لیکن ہماری ساری طاقتیں اور قوتیں اسی ایک امر میں خرچ ہو جانی ضرور نہیں ہیں۔ ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئیگی۔ جبتک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جس شخص کو پوری طاقت دی گئی ہے۔ وہ اپنے کمزور بھائی سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں۔ کہ کوئی کسی کی نغزش دیکھتا ہے۔ تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا۔ بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہئے تو یہ کہ اس کے لئے دعا کرے۔ اس سے محبت کا اظہار کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے۔ لیکن بجائے ان کے کینہ میں زیادتی کی جاتی ہے اگر ایسے کمزور بھائیوں سے عفو نہ کیا جائے اور اس سے ہمدردی نہ کی جائے۔ تو اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں۔ جماعت تب ہی بنتی ہے۔ کہ بعض بعض کی ہمدردی کریں۔ آپسمیں پردہ پوشی کی جائے۔ جب ایسی حالت پیدا ہو جائے تب وہ ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں۔ اور ایکدوسرے کو حقیقی بھائی سے بڑھکر سمجھتے ہیں۔ اگر ایک شخص کا بیٹا کوئی قصور کر بیٹھے۔ تو اسکی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔ اور اسکو الگ ہو کر سمجھایا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے بھائی کی ہر شخص پردہ پوشی چاہتا ہے۔ اور یہ نہیں چاہتا۔ کہ اسکے عیبوں کیلئے اشتہار دے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کا بھائی بنائے۔ تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں کہ بدسلوکی اور بے مروتی کی جائے؟ دنیا کے تعلق رکھنے والے بھائی آپسمیں اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے میں مرزا نظام الدین وغیرہ کو دیکھتا ہوں۔ کہ ان کی اباحت کی زندگی ہے۔ لیکن جب کوئی معاملہ ہو۔ تو تینوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فقیری بھی الگ رہجاتی ہے بعض وقت انسان جانوروں۔ بندروں اور کتوں سے بھی سبق سیکھ لیتا ہے اللہ تعالےٰ اس طریق کو بہت ناپسند کرتا ہے۔ کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ اور یہ طریق نامبارک ہے۔ اللہ تعالےٰ نے صحابہ رضؓ کو بھی یہی طریق و نعمت اخوت یاد دلائی ہے۔ اور اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کر دیتے۔ تو وہ اخوت ان میں پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ جو رسول اللہ کے ذریعہ سے ان کو ملی۔ اسی طرح پر اللہ تعالےٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے۔ اور اسی قسم کی اخوت وہ

یہاں بھی قائم کریگا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی امیدیں ہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے۔ وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ ط میں یقیناً جانتا ہوں۔ کہ وہ ایک جماعت قائم کریگا۔ جو قیامت تک منکروں پر غالب رہیگی۔ مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں۔ اور کمزوری کے ایام ہیں۔ ہر ایک شخص کو موقعہ دیتے ہیں۔ کہ وہ اپنی اصلاح کرے۔ اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو۔ ایک دوسرے کا شکوہ کرنا۔ دل آزاری کرنا۔ اور سخت زبانی کرکے دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔ اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہوئی ہے پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے۔ جس میں امیر غریب بچے جوان بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں۔ اور انکی عزت کریں۔ اور امیروں کا فرض ہے۔ کہ وہ غریبوں کی مدد کریں۔ ان کو حقیر اور ذلیل نہ سمجھیں۔ کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں۔ گو باپ جدا جدا ہوں۔ لیکن آخر تم سب کا روحانی باپ ایک ہی ہے۔ اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔ بدکاری فسق و فجور سب گناہ ہیں۔ مگر یہ ضرور دیکھا جاتا ہے۔ کہ شیطان نے جو یہ جال پھیلایا ہے۔ اس سے بجز خدا کے فضل کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ انسان بعض وقت یونہی جھوٹ بول دیتا ہے۔ مثلاً بازیگر نے دس ہاتھ چھلانگ ماری ہو۔ تو ایک شخص محض دوسروں کو خوش کرنے کے لئے بیان کر دیتا ہے۔ کہ اس نے چالیس ہاتھ کی چھلانگ ماری ہے۔ اس قسم کی شرارتیں شیطان نے پھیلا رکھی ہیں۔ اسلئے چاہیئے۔ کہ تمہاری زبانیں تمہارے قابو میں ہوں۔ ہر قسم کی لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرنے والی ہوں۔ جھوٹ۔ اسقدر عام ہو رہا ہے کہ جسکی کوئی حد نہیں۔ درویش۔ مولوی۔ قصہ گو۔ واعظ سب ہی اپنے بیانات کو سجانے کے لئے خدا سے نہ ڈر کر جھوٹ بول دیتے ہیں۔ اور اس قسم کے اور بھی بہت سے گناہ ہیں۔ جو ملک میں کثرت کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ ۳۱)

قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور ۵

دیکھو یہاں جھوٹ کو بت کے مقابل رکھا ہے۔ اور فی الحقیقت جھوٹ بھی ایک بُت ہی ہے۔ ورنہ کیوں انسان سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بُت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے۔ کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے۔ کہ اسمیں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں۔ کہ اُن کا جھوٹ کم ہو جائے۔ تب بھی وہ جلدی سے دور نہیں ہو سکتا۔ مدت تک ریاضت کریں تب کہیں جاکر انہیں سچ بولنے کی عادت ہوگی۔ اسی طرح پر اور قسم قسم کی بدکاریاں اور شرارتیں ہو رہی ہیں۔ غرض دنیا میں گناہ کے سیلاب کا طوفان آیا ہوا ہے۔ اور اس دریا کا گویا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ گناہ جو کیڑوں کیطرح چل رہے ہیں۔ کوئی ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ کہ جس سے یہ بلا دور ہو جائے اور دنیا جو خباثت اور گناہ کے زہر اور لعنت سے بھر گئی ہے۔ کسی طرح پر اس سے صاف بھی ہو سکتی ہے۔ یا نہیں؟ اس سوال کو تقریباً تمام مذاہب اور ملل نے محسوس کیا ہے۔ اور اپنی جگہ پر وہ کوئی نہ کوئی علاج بھی گناہ کا بتاتے ہیں۔ لیکن تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اس زہر کا تریاق ان میں سے کسی کے پاس بھی نہیں۔ بلکہ ان کے بتائے ہوئے علاج کا استعمال کرنے سے یہ مرض اور بھی بڑھتا ہے۔ گھٹتا نہیں۔ مثال کے طور پر عیسائی مذہب کا نام لیتے ہیں۔ جسنے گناہ کا علاج مسیح کے خون پر ایمان لانا رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ مسیح ہمارے بدلے یہودیوں کے ہاتھوں صلیب پر لٹکایا جاکر جو ملعون ہو چکا ہے۔ اس کی لعنت نے ہمکو برکت دی۔ یہ عجیب فلاسفی ہے۔ جو کسی زمانہ اور عمر میں نہیں سمجھی جا سکتی۔ لعنت برکت کا موجب کیونکر ہو سکتی ہے اور ایک شخص کی موت دوسرے شخص کی زندگی کا ذریعہ کیونکر ٹھیر سکتی ہے؟ ہم عیسائیوں کے اس طریق علاج کو عقلی دلائل کے معیار پر پرکھنے کی بھی ضرورت نہ سمجھتے۔ اگر عیسائی دنیا میں کم از کم ہمیں یہ نظر آجاتا۔ کہ ان میں گناہ باقی نہیں رہا۔ لیکن اسکے خلاف جب یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ عیسائی دنیا میں حیوانوں سے بڑھکر ذلیل زندگی بسر کی جاتی ہے۔

تو ہمیں اس طریق انسداد گناہ پر اور بھی حیرت آتی ہے۔ اور کہنا پڑتا ہے۔ کہ اس سے تو بہتر تھا۔ کہ ایسا کفارہ ہی نہ ہوا ہوتا۔ جسنے عیسائی دنیا میں اباحت کا دریا چلا دیا۔ اور پھر اسے معافی گناہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

اسی طرح پر دوسرے مذاہب نے بھی جو طریق نجات کے ایجاد کئے ہیں۔ وہ اس قابل نہیں ہیں۔ کہ ان سے گناہ کی زندگی پر کبھی موت وارد ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ شریر اور خطا کار قومیں معجزات دیکھکر اور پیشگوئیوں کو بھی پورا ہوتے دیکھ کر شرارتوں اور خطا کاریوں سے باز نہیں آتیں۔ حضرت موسےٰ کے معجزات کیا کم تھے۔ کیا بنی اسرائیل نے اللہ تعالےٰ کے کھلے کھلے نشان نہ دیکھے تھے۔ بتاؤ۔ کہ کیا اُن میں وہ تقویٰ وہ خدا ترسی اور نیکی جو حضرت موسےٰ چاہتے تھے۔ کامل طور پر پیدا ہوئی؟ ہرگز نہیں۔ آخر ضربت علیہم الذلۃ والمسکنۃ کا مصداق وہ قوم ہوگئی۔ پھر حضرت مسیح کے معجزات دیکھنے والے لوگوں کی طرف دھیان کرو۔ کہ ان میں کہاں تک نیکی۔ پرہیزگاری اور وفاداری کے اصولوں کی رعایت تھی۔ انہیں لوگوں میں سے ایک اُٹھا اور اے ربی تجھپر سلام کہتے ہوئے حضرت مسیح کو پکڑوا دیا۔ اور دوسرے نے منہ کے سامنے لعنت کی۔ ان ساری باتوں کو دیکھ کر پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ کیا چیز ہے۔ جو انسان کو فی الواقع گناہ سے روک سکتی ہے۔ میرے نزدیک اللہ تعالےٰ کا خوف اور خشیت ہی ایسی چیز ہے۔ جو انسان کے گناہ کی زندگی پر موت وارد کرسکتی ہے جب سچا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر دعا کیلئے تحریک ہوتی ہے۔ اور دعا وہ چیز ہے۔ جو انسان کی کمزوریوں کا جبر نقصان کرتی ہے۔ اسلئے دعا کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ بعض وقت انسان کو ایک دھوکا لگتا ہے کہ وہ عرصہ دراز تک ایک مطلب کے حصول کے لئے دعا کرتا ہے۔ اور مطلب پورا نہیں ہوتا۔ تب وہ گھبرا جاتا ہے۔ حالانکہ گھبرانا نہ چاہیئے۔ بلکہ ؎

طلب گار باید صبور و حمول ۔ دعا تو ضرور قبول ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان کو بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ اپنی دعا کے انجام اور نتائج سے آگاہ نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالےٰ جو عالم الغیب ہے اسکے لئے وہ کچھ کر دیتا ہے۔

جو اسکے لئے مفید ہوتا ہے۔ اسلئے نادان انسان یہ خیال کرلیتا ہے۔ کہ اُسکی دعا قبول نہیں ہوئی۔ حالانکہ اُسکے لئے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مفید تھا۔ کہ وہ دعا اس طرح پر قبول نہ ہو۔ بلکہ کسی اور رنگ میں ہو۔ اسکی مثال ایسی ہے۔ کہ جیسا ایک بچہ اپنی والدہ سے آگ کا سُرخ انگارہ مانگے۔ تو کیا ایک دانشمند ماں ایسا انگارہ اسے دیدیگی؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح پر دعا کے متعلق بھی کبھی ایسا ہی ہوجاتا ہے۔ غرض دعائیں کرنے سے کبھی نہیں تھکنا چاہیئے۔ کیونکہ دعا ہی ایک ایسی چیز ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قوت نور عطا کرتی ہے جس سے انسان بدی پر غالب آجاتا ہے۔

مجھے بارہا اس امر کا خیال آیا ہے۔ کہ ہماری جماعت یہ افسوس نہیں کرسکتی کہ انہیں خدا تعالےٰ نے اپنے نشانات میں سے کچھ نہیں دکھایا ہے۔ بلکہ یہاں تو اس قدر ثبوت اور نشانات اُسنے جمع کردئے ہیں۔ کہ سلسلہ نبوت میں اسکی نظیریں بہت تھوڑی ملینگی۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی پہلو ثبوت کا خالی نہیں رکھا۔ اور نصوص قرآنیہ وحدیثیہ ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور عقل اور قانون قدرت ہمارے مؤید ومعاون ہیں۔ آسمانی تائیدات اور شواہد ہمارے ساتھ ہیں۔ پھر کسی پہلو میں کمی نہیں۔ میںنے ارادہ کیا ہوا ہے۔ کہ اپنی جماعت کی سہولت اور آسانی کے لئے۔ تین قسم کی ترتیبیں اپنے دعاوی اور دلائل کے متعلق دوں۔ اور پھر وہ ترتیب شدہ نقشہ چھاپ دیا جاوے۔ ایک نقشہ تو حروف تہجی کی ترتیب پر ان نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کا ہو۔ جو ہمارے موید ہیں۔ دوسرا نقشہ عقلی دلائل اور قانون قدرت کے شواہد کا ہو۔ یہ بھی حروف تہجی کی ترتیب سے ہو۔ ایسا ہی تیسرا نقشہ (۳) اُن نشانات اور تائیدات سماویہ کا ہو۔ جو ہمارے لئے رسول اللہ صلعم نے مقرر کئے تھے۔ یا اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ مثلاً ان کی ترتیب یوں سمجھئے (الف) اس سے ابراء کا نشان لو۔ یہ وہ نشان ہے۔ جو مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے سامنے پورا ہوا۔ امرتسر کے ایک پادری ڈاکٹر کلارک نے مجھ پر اقدام قتل کا مقدمہ بنایا تھا۔ کہ میںنے عبدالحمید نام ایک شخص کو گویا اس کے قتل کردینے کے لئے بھیجا تھا۔ یہ مقدمہ مسٹر ڈگلسن

کے سامنے پیش ہوا۔ اور خدا تعالےٰ کے وعدہ اور پیشگوئی کے موافق مجھے بری کیا گیا۔ جیساکہ پہلے الہام اِبْرَاء (بے قصور ٹھیرنا) ہو چکا تھا۔ جو لوگ اُسوقت یہاں ہمارے پاس موجود تھے۔ وہ بھی اور دوسرے لوگ بھی جو دیگر مقامات پر تھے اس امر کے گواہ ہیں۔ کیونکہ مولوی عبد الکریم صاحب کی عادت تھی۔ کہ جب کوئی الہام وہ سنتے تھے۔ تو اسے فوراً بذریعہ خطوط جماعت میں پھیلا دیتے تھے اس طرح پر یہ الہام جو اس مقدمہ کے نام و نشان سے بھی بہت عرصہ پہلے ہو چکا تھا۔ ہماری اپنی جماعت میں پورے طور پر شائع ہو چکا تھا۔ اور سب لوگ جانتے تھے۔ کہ مقدمہ سے بہت پہلے یہ اور دوسرے الہامات۔ اِنَّ هٰذَا اِلَّا تَهْدِيْدُ الْحُكَّامِ اور صادق آن باشد کہ ایام بلا الخ وغیرہ جماعت میں شائع ہو چکے تھے۔ اور ان سب کے بعد اللہ تعالےٰ نے خبر دیدی تھی۔ اِبْرَاء (بے قصور ٹھیرانا) ایک دانشمند اور سلیم الفطرت شخص اس عظیم الشان نشان سے بہت فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت کسی کے دل میں نہ ہو۔ تو دوسری بات ہے۔ لیکن خدا ترس اور متقی آدمی سمجھ لیتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی اس طرز کی نہیں ہے۔ جیسے رمّال ہاتھ دیکھکر اناپ شناپ بتا دیتے ہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی باتیں ہیں۔ جو قبل از وقت ہزارہا انسانوں میں مشتہر ہوئیں۔ اور آخر اسی طرح وقوع پذیر ہوئیں ورنہ کیا کسی شخص کے وہم و گمان میں بھی یہ بات آسکتی تھی۔ کہ مقدمہ کی مثل پورے طور پر مرتب ہو جائے۔ اور عبد الحمید اپنا بیان بھی دیدے۔ کہ ہاں اسے قتل کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ لیکن آخری وقت میں جو فیصلہ کچھ کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مسٹر ڈگلس کے دل میں القا کر دیا۔ کہ یہ مقدمہ بناوٹی تھا۔ اور اسکے دل کو غیر مطمئن کر دیا۔ چنانچہ اسنے کپتان لیمار چند سے (جو ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا) کہا۔ کہ اس کا دل اس سے تسلی نہیں پاتا۔ بہتر ہے۔ کہ تم اس مقدمہ کو تفتیش کرو۔ اور عبد الحمید سے اصل حالات دریافت کرو۔ چنانچہ جب کپتان لیمار چند نے عبد الحمید سے دریافت کیا۔ تو اسنے پھر وہی اپنا سابقہ بیان دُہرا دیا۔ لیکن جب کپتان صاحب نے اصرار سے اسے واقعات بیان کر دینے کے لئے کہا۔ تو عبد الحمید رو پڑا۔ اور صاف طور پر اقرار کر لیا۔

کہ اسے سکھایا گیا تھا۔ اب بتاؤ۔ کہ کیا یہ انسان کا کام تھا۔ کیا یہ لوگ ہر روز اسی طرح مقدمات کیا کرتے ہیں۔ واقعات پر فیصلے دیتے ہیں۔ بادل کی تسلیوں کو دیکھتے رہتے ہیں؟ نہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ اور جیسا کہ وہ وعدہ کر چکا تھا۔ وہی ہونا تھا۔ پس اِبرآد کا نشان ایک عظیم الشان نشان ہے۔ جو الف کی مد میں ہے۔

پھر اسی طرح اس مد میں اوی کا نشان ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے قادیان کو طاعون کی افراتفری سے محفوظ رکھنے کے متعلق دیا تھا۔ اِنّہ اَوَی القریۃ۔ ملک میں طاعون کثرت سے پڑا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ قادیان کو اس کے انتشار اور موت الکلاب سے محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے۔ کہ اُسنے اِس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یعنی اس گاؤں پر خصوصیت سے فضل ہوگا۔ اَوٰی کے اصل معنے یہ ہیں۔ کہ اسے منتشر نہ کیا جائے۔ اور جبکہ عام طور پر قانوناً یہ امر روا رکھا گیا ہے۔ کہ کسی گاؤں کے باشندوں کو جبراً گاؤں سے باہر نہ نکالا جائے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ وہ افراتفری اور موت الکلاب جو دوسرے شہروں میں پڑی ہوئی ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ قادیان کو محفوظ رکھے۔ یعنی یہاں طاعون جارف نہ ہوگی۔

پھر اسی طرح الف کی مد میں اَبنَا کا نشان ہے۔ میری کتابوں اور اشتہاروں کو پڑھو۔ تو اُن سے صاف طور پر معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہر ایک لڑکے کی پیدائش سے پہلے ایک اشتہار دیا گیا تھا۔ اور بتایا گیا تھا۔ کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ چنانچہ ان اعلانات کے مطابق یہ لڑکے پیدا ہوئے تھے۔ اور پھر یہاں تک کہ تعداد بھی بتا دی تھی۔ کہ چار لڑکے ہونگے۔ اور چوتھے لڑکے کی بابت یہ بھی اعلان کر دیا گیا تھا۔ کہ عبدالحق نہ مریگا۔ جبتک چوتھا لڑکا پیدا ہونے کی خبر نہ سُن لے۔ ایسا ہی مولوی صاحب (مولوی نورالدین صاحب) کے بیٹے کی بابت جب سعداللہ نے اعتراض کیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے میری دعاؤں کے بعد مجھے بشارت دی۔ کہ مولوی صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ بلکہ یہانتک کہ اسکے بدن پر پھوڑوں کے نشانات کا بھی پتہ دیا گیا۔ اور اس کا علاج بھی ساتھ ہی بتایا گیا۔ اب غور کرو۔ کہ کیا یہ اشتہار پہلے نہیں دیا گیا تھا؟ اور اشتہار کے مطابق وہ بچہ عبدالحی نام مولوی صاحب کے گھر میں پیدا ہو گیا۔ اور اس کے جسم پر پھوڑوں کے نشانات بھی تھے۔ یہ وہی خصوصیات ہیں جو انبیاء

بنی اسرائیل کے وقت ہوا کرتی تھیں۔

پھر اسی کے ساتھ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا نشان ہے۔ اور یہ بہت پرانا الہام ہے۔ اور اس وقت کا ہے۔ جبکہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوا۔ میں لاہور گیا ہوا تھا۔ مرزا صاحب مرحوم کی بیماری کی خبر جو مجھے لاہور پہنچی۔ تو میں جمعہ کے دن یہاں قادیان میں واپس آگیا۔ تو ان کو درد گردہ کی شکایت تھی۔ جو پہلے بھی ہو جایا کرتی تھی۔ لیکن اسوقت کچھ تخفیف تھی۔ ہفتہ کے دوپہر کے وقت وہ حقہ پی رہے تھے۔ اور ایک خدمتگار ان کو پنکھا کر رہا تھا۔ انہوں نے مجھے فرمایا۔ کہ اب آرام کا وقت ہے۔ تم جاکر آرام کرو۔ میں چوبارہ میں چلا گیا۔ ایک خدمتگار جمال نام میرے پاؤں دبا رہا تھا۔ تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ مجھے الہام ہوا۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ اور معاً اس کے ساتھ تفہیم ہوئی لیکن میں اب نہیں کہہ سکتا۔ کہ لفظ پہلے آئے تھے۔ یا تفہیم۔ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس حادثہ کی جو غروب آفتاب کے بعد ہونیوالا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ عزا پرسی کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے۔ جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ ایک مصیبت بھی آتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس کی عزا پرسی بھی کرتا ہے۔ چونکہ ایک نیا عالم شروع ہونے والا تھا۔ اسلئے خدا تعالیٰ نے قسم کھائی۔ یہ دیکھ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا عجیب احسان محسوس ہوا۔ کہ میرے والد صاحب کے حادثہ انتقال کی وہ قسم کھاتا ہے۔ اس الہام کے ساتھ پھر معاً میرے دل میں بشریت کے تقاضا کے مطابق یہ خیال گذرا۔ اور میں اس کو بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتا ہوں۔ کہ چونکہ معاش کے بہت سے اسباب انکی زندگی سے وابستہ تھے۔ کچھ انعام انہیں ملتا تھا۔ اور کچھ اور مختلف صورتیں آمدنی کی تھیں۔ جن سے کوئی دو ہزار روپیہ ماہوار کے قریب آمدنی ہوتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ چونکہ اب وہ سب ضبط ہو جائینگی۔ اسلئے ہمیں ابتلا پیش آئیگا۔ یہ خیال تکلف کے طور پر نہیں۔ بلکہ خدا ہی کی طرف سے میرے دل میں گذرا۔ اور اسکے دل میں گذرنے کے ساتھ ہی پھر یہ الہام ہوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ الہام میں نے ملا وامل اور شرمپت رائے کی معرفت ..... انہیں ایام میں ایک

انگشتری میں لکھوالیا تھا۔ جو حکیم محمد شریف کی معرفت امرتسر سے بنوائی تھی۔ اور وہ انگشتری میں کھدا ہوا الہام ابھی تک موجود ہے۔ اب دیکھ لو کہ اس وقت سے لیکر آج تک اُسنے میرا کیسا تکفل کیا۔ اگر کسی کو شک ہو۔ تو ملا وامل اور شرمپت رائے سے پوچھ لے۔ محمد شریف کی اولاد موجود ہے۔ اس سے پوچھ لو تکفل بڑھتا گیا ہے یا نہیں۔ جس جس قدر ضرورتیں پیش آتی گئی ہیں۔ خود اسنے اپنے وعدہ کے مطابق تکفل کیا ہے۔ اور کرتا ہے۔ اب بتاؤ۔ کہ کیا یہ کوئی چھوٹا سا نشان ہے اسطرح پر الف کی مد میں اور بہت سے نشان آسکتے ہیں۔

پھر اب (ب) کی مد میں دیکھو بشیر ہے۔ یہ لڑکا بشیر جواب موجود ہے۔ اسکی بابت پہلے اشتہار شائع کیا گیا تھا۔ اور اسی کے مطابق وہ پیدا ہوا۔ پھر اسکی آنکھوں سے اِس قدر پانی جاری رہتا تھا۔ اور اُسکی آنکھیں گوشت کے ٹکڑے کی طرح سرخ ہوگئی تھیں۔ کہ مجھے اندیشہ تھا۔ کہ اسکی آنکھوں کو خطرناک نقصان نہ پہنچ جائے۔ اس وقت میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ تب الہام ہوا بَرَّقَ طِفْلِیْ بِبَشِیْرٍ۔ بہت سے لوگ اس الہام کے بھی گواہ موجود ہیں۔ کیونکہ میں الہامات پوشیدہ تو رکھتا ہی نہیں ہوں۔ تبریق کے معنے ہیں آنکھوں کا اچھا ہونا۔ چنانچہ ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا۔ کہ یہ بالکل تندرست ہوگیا (الحکم جلد ۱۳)

اسی طرح ب کی مد میں بشمبر داس کو داخل کرتے ہیں۔ بشمبر داس قادیان کا رہنے والا ایک ہندو تھا۔ وہ اور ایک خوشحال نام برہمن جوان دونوں میں پٹواری تھا۔ ہر دو ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوگئے۔ جس میں خوشحال کو دو سال اور بشمبر داس کو ایک سال قید کی سزا ہوگئی۔ شرمپت رائے نے میرے پاس آکر دعا کے لئے کہا۔ تو میں نے دعا کی۔ اور کشف میں دیکھا۔ کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اُسکی نصف قید کاٹ دی ہے۔ اور پھر دیکھا کہ مثل مقدمہ واپس آکر اسکی نصف قید رہجائیگی اور خوشحال اپنی پوری سزا بھگتیگا۔ یہ خبر میں نے پہلے ہی شرمپت کو دیدی تھی۔ جو ابتک زندہ موجود ہے۔ اور اگر اسکو قسم دیکر دریافت کیا جائے تو وہ انکار نہ کریگا۔ غرض آخر کار جس طرح پر میں نے خبر دی تھی۔ اور مجھے کشف میں دکھایا گیا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ یعنی مثل مقدمہ واپس آئی۔ اور

اسمیں بشمبر داس کی نصف سزا باقی رہ گئی۔ اور وہ نصف سزا بھگت کر رہا ہوا۔
اسپر شرمیت نے کہا۔ کہ چونکہ تم متقی ہو۔ اسلئے دعا قبول ہو گئی۔ اور چونکہ اسلام
کے ساتھ ان لوگوں کو بغض اور عداوت ہے۔ اسلئے شرارت سے اسلام کی
تعریف نہ کی۔ اس مقدمہ میں جب اپیل کیا گیا۔ تو رات کو علی محمد نام ایک شخص آیا۔
اور آکر خبر دی کہ وہ دونو بری ہو گئے ہیں مجھے یہ خبر سنکر تعجب ہوا۔ کیونکہ مینے
مذکورہ بالا پیشگوئی کی ہوئی تھی۔ اسی تردد کی حالت میں جب مینے نماز ادا کی۔
تو نماز کے اندر ہی مجھے الہام ہوا۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ خیر۔ وہ رات تو اسی طرح
گذر گئی۔ اور مینے مزید تحقیقات نہ کی۔ لیکن صبح کے وقت اصل حال معلوم ہو گیا۔
کہ اپیل کی گئی تھی۔ جس سے یہ غلط نتیجہ نکال لیا گیا۔ کہ وہ بری ہو گئے ہیں۔ آخر
جیسا کہ مینے کہا تھا۔ اسی طرح پیشگوئی کے مطابق مثل مقدمہ واپس آئی۔ اور
اسمیں بشمبر داس کی قید نصف رہ گئی۔ اور خوشحال کو پوری سزا بھگتنی پڑی۔ اب
بتاؤ۔ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے کیسے زبردست نشانات ہیں۔ ابتک ان واقعات
کے زندہ گواہ موجود ہیں۔ ان سے قسم دے کر پوچھا جاوے۔ کہ کیا قبل از وقت انہیں
بتا دیا گیا یا نہیں۔ اور پھر ٹھیک پیشگوئی کے مطابق ان کا ظہور ہوا یا نہیں ؟

پھر اسی طرح جھنڈا سنگھ نامی ایک زمیندار کے ساتھ ہمارا درخت کاٹنے کا مقدمہ
تحصیل میں دائر تھا۔ مجھے خدا تعالےٰ کیطرف سے معلوم ہوا۔ کہ ڈگری ہو جائیگی
جب کوئی دس بارہ دن ہو گئے۔ تو لوگوں نے جو بٹالہ سے آئے تھے بیان کیا۔ کہ وہ مقدمہ
خارج ہو گیا ہے۔ اور خود جھنڈا سنگھ نے بھی آکر بطور تمسخر کہا۔ کہ مقدمہ خارج ہو گیا
ہے۔ مجھے اس خبر کے سننے سے اتنا غم ہوا۔ کہ کبھی کسی ماتم سے بھی نہیں ہوا ہو گا۔
مینے کہا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ڈگری کی خبر دی تھی۔ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ وہ شخص ہماری
اسامی تھا۔ اور ہم مالک تھے۔ اور مالک کی اجازت کے بغیر وہ درخت کاٹنے کا مجاز
نہ تھا۔ مختلف قسم کے ۱۵ یا ۱۶ آدمی اس مقدمہ میں تھے۔ مجھے بہت ہی غم
محسوس ہوا۔ اور میں۔ ایسا جیسا کہ کوئی مبہوت ہوتا ہے۔ سراسیمہ ہو کر سجدہ
میں گر پڑا۔ اور دعا کی۔ تب ایک بلند آواز سے الہام ہوا۔ ڈگری ہوئی ہے مسلمان ہے
یعنی آیا باور نمیکنی۔ صبح کو جب میں تحصیل میں گیا۔ تو وہاں جا کر ایک شخص سے

جو حاکم کا شرشتہ دار تھا۔ مینے دریافت کیا۔ کہ کیا فلاں مقدمہ خارج ہوگیا ہے اُسنے کہا نہیں۔ اسمیں تو ڈگری ہوگئی ہے۔ پھر مینے اس سے کہا۔ کہ لوگوں نے گاؤں میں مشہور کردیا ہے۔ کہ وہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ اسنے کہا۔ کہ اصل بات یہ ہے۔ کہ اس خبر میں وہ بھی سچے ہیں۔ جب حافظ ہدایت علی صاحب فیصلہ لکھنے لگے۔ تو میں کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جب واپس آیا۔ تو انہوں نے روبکار مجھے دی اور کہا کہ یہ مقدمہ خارج کردیا ہے۔ سرشتہ دار کہتا ہے۔ کہ تب مینے ان سے کہا۔ کہ آپنے غلطی کی ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ نہیں۔ مینے کمشنر کا فیصلہ جو فریق ثانی نے پیش کیا تھا۔ دیکھ لیا ہے۔ تب پھر میں نے ان سے کہا۔ کہ فنانشل کمشنر کا فیصلہ بھی تو دیکھنا چاہیئے تھا۔ اسپر ان کو معلوم ہوا کہ جو فیصلہ انہوں نے کیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ اسپر انہوں نے روبکار لیکر پھاڑ ڈالی۔ اور دوسری روبکار لکھی۔ جسمیں ڈگری کا فیصلہ دیا۔ اور اس طرح پر وہ پیشگوئی جو اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے بتلائی تھی وہ پوری ہوگئی۔ اس پیشگوئی کے بھی بہت سے لوگ گواہ ہیں۔ جو ابتک موجود ہیں۔

پھر ف کی مد میں ثَمَانِيْنَ حَوْلًا کی پیشگوئی ہے۔ جسپر ایک زمانہ گذر گیا ہے کوئی شخص اسبات کا دعوےٰ نہیں کرسکتا۔ کہ وہ ایک دم کے لئے بھی زندہ رہیگا۔ لیکن سالوں کی ایک خاص تعداد کی خبر دیدینا یہ انسانی طاقت کا کام نہیں ہوسکتا۔ اور پھر مرے جیسے آدمی کے لئے تو یہ قیافہ سے بھی کہدینا مشکل امر ہے۔ جسے دو بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن باوجود ان بیماریوں اور ضعفوں کے خدا تعالےٰ کا یہ وعدہ دینا۔ کہ میری عمر اسّی برس کے قریب ہوگی۔ کیسا عجیب ہے۔ اور حقیقت میں اس قسم کی خبر خدا تعالیٰ ہی کیطرف سے ہوسکتی ہے۔ ورنہ عاجز انسان کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ پیشگوئی بھی پوری شدہ ہی سمجھ لیجئے۔ کیونکہ اسپر بہت عرصہ گذر چکا ہے۔ اور میری عمر اب ساٹھ سے متجاوز ہوچکی ہے۔

پھر ف ہی کی مد میں ایک اور پیشگوئی ہے۔ جو اس سے بھی عجیب تر اور عظیم الشان ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ اور اسکے ذریعہ سے ایک عظیم الشان جماعت کے قائم کرنے کی خبر دی ہے۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی۔ اُس وقت ایک آدمی بھی ہم کو نہیں جانتا تھا۔ براہین احمدیہ

میں یہ الہام درج ہے۔ لیکن اب دیکھ لو۔ کہ ستر ہزار سے زیادہ آدمی اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ خاص قادیان میں ایک کثیر جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر کیا یہ کوئی جھوٹ بات ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب ث کی مدیں اور بھی پیشگوئیاں ہیں لیکن میں نے اس وقت صرف مثال کے طور پر ایک دو بیان کر دی ہیں۔ اسی طرح ج کی مدیں جنازہ کا الہام ہے۔ جب ہمارے بڑے بھائی صاحب مرزا غلام قادر صاحب فوت ہوئے۔ تو اُن کے مرنے سے پہلے جنازہ کا الہام ہُوا تھا۔

اور اسی طرح جمال الدین کے متعلق بھی الہام ہُوا تھا۔ خواجہ جمال الدین صاحب جب اپنے امتحان منصفی میں فیل ہو گئے تو میں نے دعا کی۔ جس پر الہام ہُوا۔ سَیُغْفَرُ لَہٗ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر جگہ دیدی۔ پھر ج ہی کی مد میں جمع بَیْنَ الصلوتَیْن کی پیشگوئی ہے جو رسول اللہ صلعم نے مسیح موعود کے لئے ایک نشان ٹھیرایا تھا۔ اس پیشگوئی کو پورا کرنا اختیاری امر نہیں ہے۔ موت سر پر ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ خود اس کی تکمیل کر رہا ہے۔ جو شخص آنحضرتؐ کی پیشگوئیوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ آنحضرت ص کی بھی عزت نہیں کرتا ہے۔ اس پیشگوئی سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ تجمع لہ الصلوٰۃ یعنی اسکے لئے نماز جمع کی جائیگی۔ اور ایسے واقعات پیش آجائینگے۔ کہ اسکے لئے نمازیں جمع کرنی پڑینگی۔ آنحضرت ص کے بارے میں جو اعتقاد میں اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ ..... اسے میں کسی کے دل میں ڈال نہیں سکتا۔ لیکن میں ہر ایک سچے مسلمان کے لئے یہ ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ وہ ان امور کے ساتھ جو آپ ص کی نبوت کے لئے بطور شہادت ہوں محبت کرے۔ ان امور میں سے یہ پیشگوئیاں بھی ہیں۔ آنحضرت ص کی کشفی نگاہ کیسی دور بین اور تیز تھی۔ کہ آپ نے تیرہ سو سال پہلے ہی ہمارے زمانہ کا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا۔ اسلئے ہم پیشگوئی کو جو تجمع لہ الصلوٰۃ کی ہے۔ بہت بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اسکے پورا ہونے پر ہمیں ایک راحت اور لذت ہوتی ہے۔ جسے ہم کسی دوسرے کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔

کیونکہ لذت خواہ جسمانی ہو یا روحانی ایک ایسی کیفیت و اثر ہے جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت ؐ کی اس سے کمال درجہ کی عزت اور صداقت ثابت ہوتی ہے۔ کہ آپ نے اتنا عرصہ پیشتر جو کچھ فرمایا۔ وہ پورا ہو گیا۔ اب بتاؤ۔ کہ کیا یہ امور جو جمع نماز کا موجب ہوئے ہیں۔ خود ہم نے پیدا کر لئے ہیں۔ یا اللہ تعالےٰ نے ہی یہ تقریب پیدا کر دی ہے؟ صحابہؓ نے آنحضرتؐ سے اس پیشگوئی کو سنا۔ لیکن پورا ہوتے نہ دیکھا۔ اور اب جو یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ہے اگر انہیں خبر ملتی۔ تو وہ کیسے لذت حاصل کرتے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ جیسا اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے ہم ایک لطف اور لذت اُٹھا رہے ہیں۔ آسمان پر بھی ایک لذت ہے۔ اسلئے کہ اس سے نبی کریم ؐ کی بزرگی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ صوفیوں نے لکھا ہے۔ کہ بعض زمینی امور ایسے ہوتے ہیں۔ کہ آسمان پر اُن کی خبر دی جاتی ہے۔ اور آنحضرت ؐ کی تائید میں جو کچھ زمین پر ہوتا ہے۔ اُسکی خبر آسمان پر دیجاتی ہے۔ اور اس کا انتشار ہوتا ہے۔ غرض یہ ایک بڑی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس سے ہمارے رسول مقبول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔ اسے حقیر سمجھنا کفر ہے۔ پھر ہماری تصدیق کیلئے اس زمانے میں اس کا واقع ہو جانا دوسرا نشان ہے۔ کیونکہ یہ نشان ہمارے لئے رکھا گیا تھا۔ اور آنحضرت ؐ کی فرمائی ہوئی پیشگوئی پوری ہوئی۔ لوگ ناواقفی اور جہالت سے اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ امر بہت ہی قابل غور ہے۔ کہ کیا ہم نے از خود امور پیدا کر لئے ہیں۔ کہ نمازوں کے جمع کر لینے کی ضرورت ہو گئی؟ پھر جب یہ سب امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ تو پھر اس پر اعتراض کرنا نری حماقت اور خباثت ہے۔ جو لوگ اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ مجھ پر نہیں بلکہ آنحضرت ؐ پر اور خود اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس پیشگوئی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نماز ایک آدھ مرتبہ جمع نہ ہو گی۔ بلکہ ایک خاصی میعاد تک جمع ہوتی رہیگی۔ کیونکہ ایک آدھ دفعہ کرنے کا اتفاق تو دوسرے مسلمانوں کو بھی ہو جاتا ہے۔ پس یہ خدا کا زبردست نشان ہے۔ جو ہماری اور ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زبردست گواہ ہے۔

ایسا ہی پھر ح کی مد میں حیات خاں کا مقدمہ ہے۔ اور بہت سے لوگ اس امر کے گواہ ہیں۔ یہانتک کہ اکثر ہندوؤں کو بھی یہ معلوم ہے۔ اور میرے لڑکے فضل احمد اور سلطان احمد بھی اس میں گواہ ہیں۔ سردار حیات خاں صاحب ایک دفعہ کسی مقدمہ میں معطل ہوگیا تھا۔ میرے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم نے مجھے کہا۔ کہ اسکے لئے دعا کرو۔ جب میںنے دعا کی۔ تو مجھے دکھایا گیا۔ کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہُوا۔ عدالت کر رہا ہے۔ میںنے کہا کہ یہ تو معطل ہوگیا تھا۔ کسی نے جواب میں کہا۔ کہ اس جہان میں معطل نہیں ہُوا۔ جسپر مجھے یقین ہوگیا۔ کہ وہ بحال ہوجائے گا۔ چنانچہ اس امر کی اسے اطلاع دیگئی اور تھوڑے عرصہ کے بعد بحال ہوگیا۔

ایسا ہی فَاَنَّ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ ہ یہ پیشگوئی بھی براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ کوئی ثابت کرے۔ کہ اس الہام کے وقت کتنی جماعت تھی؟ بلکہ صرف میں یا میاں شمس الدین ہوتے تھے۔ جو براہین احمدیہ کے مسودے لکھا کرتا تھا۔ لیکن اب اللہ تعالےٰ نے اپنے وعدے کے مطابق لاکھوں کروڑوں انسانوں میں اسے پُورا کیا اور کر رہا ہے۔ ہر نیا دن اس پیشگوئی کی شان اور عظمت کو بڑھا رہا ہے۔ جوں جوں یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

پھر خ کی مد میں خسوف وکسوف کی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اس کو دیکھو کہ تیرہ سَو برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا نشان مقرر کیا تھا۔ کہ اس کے وقت میں رمضان کے مہینے میں خسوف و کسوف ہوگا۔ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ یہ نشانات ابتدائے آفرینش سے لیکر کبھی ظاہر نہیں ہُوا۔ کس قدر عظیم الشان نشان ہے۔ جس کی نظیر آدم سے لیکر آنحضرتؐ کے وقت تک اور پھر آنحضرتؐ سے لیکر مہدی کے وقت تک پائی نہیں جاتی۔ اب مجھے جو دجال اور کذاب کہا جاتا ہے۔ کیا کاذب اور دجال کے لئے ہی اللہ تعالےٰ نے یہ نشان مقرر کیا تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکا لگ گیا تھا۔ کہ ایک تو مجھے صدی کے سر پر بھیجا۔ اور پھر وہ تمام نشانات وعلامات بھی قائم کردئے۔ جو مسیح موعود اور مہدی معہود کے زمانہ کے لئے مقرر تھے۔ صلیب کا غلبہ بھی میرے وقت میں ہی ہوگیا۔ اور پھر خسوف وکسوف کا نشان بھی پورا کردیا۔ گویا اس قدر

لمبا سلسلہ خدا نے دھوکے کا رکھا۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے۔ کہ وہ کسی کو دھوکا دے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت اس امر کی مقتضی تھی۔ کہ کسی راست باز اور صادق کے ساتھ ان کی تائید کی جاتی کہ ایک کاذب اور مفتری کو بھیج دیا جاتا۔ اور اسپر مزید یہ کہ کاذب کے وقت میں نشانات وہ پورے کر دئے۔ جو کہ صادق کے لئے مقرر تھے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے؟ لیکن خوب یاد رکھو۔ کہ اصل بات یہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق جبکہ اسلام بہت ہی کمزور ہو گیا تھا۔ اور بالکل رسم پرستی اور نام کے طور پر رہ گیا تھا۔ اور جبکہ نصارےٰ کا فتنہ حد سے بڑھ گیا تھا۔ اور انہوں نے اسلام کے ذلیل کرنے کے لئے ہر ایک قسم کے منصوبے کئے اور اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے متفق ہو کر اور اکیلے اکیلے زور لگایا حضرت نبی کریم ؐ کی سخت توہین کی گئی۔ یہانتک کہ معاذ اللہ آپؐ کو جھوٹا نبی کہا گیا۔ اور خطرناک الزامات آپ کی ذاتِ پاک پر لگائے گئے۔ اور کوئی بھی دقیقہ اسلام کی ہتک اور بے عزتی کا باقی نہ رکھا گیا۔ اور اپنے مذہب میں یہانتک غلو کیا۔ کہ ایک ضعیفہ عورت کے بچے کو خدائی کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور ایک انسان کو خدا بنا کر پھر اُسکو ملعون قرار دے کر اسکی لعنت کو برکت کا ذریعہ بنایا۔ تو خدا تعالےٰ نے جو غیور خدا ہے۔ ایک عاجز انسان کو اپنے وعدہ کے مطابق کھڑا کیا۔ اور اُسکی تائید اور نصرت کی۔ اور اسکے لئے ان نشانات کو پورا کیا۔ جو اس کے وقت کے لئے مقرر تھے۔ اور اسے حضرت نبی کریم ؐ کی ہتک اور توہین کا انتقام لینے والا ٹھیرایا۔ اور وہ اس طرح پر کہ جس عاجز انسان مسیح ابن مریم کو خدا ٹھیرایا گیا تھا۔ غیرت الٰہی نے اسکو مسیح ابن مریم سے افضل بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اور مسیح موعود کا مسیح ابن مریم سے افضل ہونا۔ خود یہود و نصارےٰ کے مسلمات میں سے ہے۔ عیسائی اعتراف کرتے ہیں۔ کہ اسکی آمد ثانی پہلی آمد کے مقابل میں جلالی آمد ہو گی۔ پہلی آمد ناکامی کی تھی۔ اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت درکار ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ نے مجھے مسیح موعود ٹھیرایا۔ اور میرے نشانات کو قوت اور تعداد میں مسیح کے نشانات سے بہت بڑھکر ثابت کیا۔ اگر کسی عیسائی کو شک ہو تو قوتِ ثبوت اور تعداد کے لحاظ سے میرے نشانات کا مسیح کے نشانات سے مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ ان نشانات میں سے ہی یہ خسوف و کسوف

کا نشان ہے۔ جو اپنے وقت پر میری صداقت اور رسول اللہؐ کی سچائی پر مُہر کرنے کے لئے پورا ہُوا۔ میں نے سُنا ہے۔ کہ پٹیالہ میں ایک مولوی تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ خسوف وکسوف کا نشان پورا ہوگیا۔ تو اس نے زمین پر ہاتھ مار مار کر کہا۔ کہ اب خلقت گمراہ ہوگی۔ اب خلقت گمراہ ہوگی۔ مگر اس احمق سے کوئی اتنا تو پوچھے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے وہ نشان پورا کیا۔ جو صادق کے لئے مقرر تھا۔ پھر لوگ گمراہ ہونگے۔ یا ہدایت پائینگے؟ غرض خسوف وکسوف کا نشان بہت بڑا نشان ہے۔

پھر د کی مد میں دیانند کے مرنے کی خبر ہے۔ اس کی زندگی میں ہی اس کے مرنے سے پہلے یہ خبر بذریعہ ایک رجسٹری شدہ خط کے اس کو دی گئی تھی۔ اور شرمپت اور مُلا واصل موجود ہیں۔ ان کو قسم دیکر دریافت کرلیا جائے۔ کہ کیا تین ماہ پیشتر ہی یہ خبر دیدی گئی تھی۔ یا نہیں؟

اور پھر اسی مد میں دلیپ سنگھ کے ناکام ہونے کی پیشگوئی ہے جو اسوقت کی گئی۔ کہ ابھی اس کے ہندوستان آنے کی کوئی خبر بھی نہیں تھی (الحکم جلد ۶ ۳۲)

۱۶ر اگست ۱۹۰۲ء بوقت شام

حضرت مسیح موعودؑ بعد ادائے نماز شام حلقہ احباب میں بیٹھ گئے۔ تو ایک شخص نے آپ کی خدمت میں ایک خط پیش کیا۔ جو دفتر سیگزین میں محرر کی اسامی کے لئے سفارش کی خواہش پر مشتمل تھا۔ بعد ملاحظہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ:۔

قبض اور بسط رزق کا سرّ ایسا ہے۔ کہ انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک طرف تو مومنوں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وعدے فرمائے ہیں۔ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اسکے لئے اللہ کافی ہے۔ پھر فرمایا۔ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تقوےٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے۔ کہ اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر فرمایا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ اور پھر اللہ تعالیٰ

اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے۔ فَوَرَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۝
یعنی آسمان اور زمین کے رب کی قسم ہے۔ کہ یہ وعدہ سچ ہے۔ جیسا کہ تم
اپنی زبان سے بول کر انکار نہیں کر سکتے۔ جبکہ اس قسم کے وعدے اللہ تعالےٰ نے
فرمائے ہیں۔ پھر باوجود ان وعدوں کے دیکھا جاتا ہے۔ کہ کئی آدمی ایسے دکھائی
دیتے ہیں۔ جو صالح۔ متقی اور نیک بخت ہوتے ہیں اور ان کا شعار اسلام صحیح ہوتا
ہے۔ لیکن وہ رزق سے تنگ ہوتے ہیں رات کو ہے تو دن کو کھانے کے لئے بھی
نہیں اور دن کو ہے، تو رات کو نہیں (یہاں پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض
کی۔ کہ جب وہ پہلے پہل یہاں آئے تھے۔ تو حضور علامات المقربین رسالہ لکھ رہے
تھے۔ واپسی پر جب وہ گجرات ٹھہرے۔ تو ایک شخص نے ان سے دریافت کیا۔ کہ
آجکل مرزا صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ
جَنّٰتٍ النَّعِیْمِ کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ اسنے کہا۔ کہ یہ کفار لوگ آرام میں نہیں
سارا دن بگیاں چلتی رہتی ہیں؟) حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ کہ آپکے اس آیت
کے پڑھنے سے ایک اور آیت یاد آگئی۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ)
غرض یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں۔ لیکن تجربہ دلالت
کرتا ہے۔ کہ یہ امور خدا تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ ہمارا یہ مذہب ہے
کہ وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ نے کئے ہیں۔ کہ متقیوں کو وہ خود رزق دیتا ہے۔ جیسا کہ
مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہے۔ یہ سب سچ ہیں۔ اور اہل اللہ کے سلسلہ کی طرف
دیکھا جائے۔ تو ابرار میں سے کسی کو نہ پاؤ گے جو بھوک سے مرا ہو۔ جن لوگوں
کے متقی ہونے پر مومنوں نے شہادت دی۔ اور جن کو اتقیا مان لیا گیا ہے۔ یہی نہیں
کہ وہ فقر و فاقہ سے بچے ہوئے تھے۔ گو اعلےٰ درجہ کی خوشحالیاں ان کو میسر نہ ہوئیں
لیکن اضطراری قسم کا فقر و فاقہ ان کو کبھی نہیں ہوا۔ کہ جس کا وہ عذاب محسوس
کریں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیار کیا ہوا تھا۔ لیکن آپ کی سخاوت
سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ خود آپنے اپنی مرضی سے اختیار کر رکھا تھا۔ نہ کہ بطور
سزا تھا۔ غرض اس راہ میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض لوگ
بظاہر متقی اور صالح دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن وہ رزق سے تنگ ہوتے ہیں۔

ان جملہ حالات کو دیکھکر آخر یہی کہنا پڑتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے وعدے تو سب سچے ہیں۔ لیکن انسانی کمزوری کا ہی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ (مولوی نورالدین صاحب نے یہاں ذکر فرمایا۔ کہ لندن سے ایک شخص نے آپکو خط لکھا۔ کہ یہاں آکر دیکھو۔ کہ جنت عیسائیوں کو حاصل ہے۔ یا مسلمانوں کو۔ میں نے اسے جواب میں لکھا۔ کہ سچی عیسائیت مسیح اور اسکے حواریوں میں تھی۔ اور سچا اسلام آنحضرتؐ اور آپؐ کے صحابہ رضؓ میں تھا۔ پس ان ہر دو کا مقابلہ کرکے دیکھ لو۔ ان روحانی امور میں ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ کہ نتیجہ نکال لے۔ یہ لوگ جو لندن جاتے ہیں۔ وہ وہاں جاکر دیکھتے ہیں۔ کہ بڑی آزادی ہے۔ شراب خوری کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ ساٹھ میل تک شراب کی دکانیں چلی جاتی ہیں۔ زنا اور غیر زنا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ کیا یہ بہشت ہے؟ بہشت سے یہ مراد نہیں ہے۔ دیکھو انسان کی بیوی بھی ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ وہ تعلقات زوجیت رکھتا ہے۔ یہی تعلقات پرندوں اور حیوانات میں بھی اپنے زوج سے ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک نظافت اور ادراک بخشا ہے۔ اور انسان جن حواس اور قویٰ کے ساتھ اس دنیا میں آیا ہے۔ اُن کے ساتھ وہ ان تعلقات زوجیت میں زیادہ لطف اور سرور حاصل کرتا ہے۔ بمقابلہ حیوانات کے جو ایسے حواس ادراک نہیں رکھتے ہیں۔ اور اسی لئے وہ اپنے جوڑے کی کوئی رعایت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ کتا۔ پس اگر انسان ان حواسوں کے ساتھ سرور حاصل نہیں کرسکتا۔ بلکہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتا ہے تو پھر اس میں اور حیوانات میں کیا فرق ہوا۔ یہ جو فرمایا ہے۔ کہ مومن کے لئے ہی جنت ہے۔ یہ اسلئے فرمایا۔ کہ سچی راحت دنیا کی کی لذت سے تب پیدا ہوتی ہے۔ جب تقوی ساتھ ہو۔ ..... جو شخص تقوی کو چھوڑ دیتا ہے۔ اور حلال و حرام کی قید اٹھا دیتا ہے۔ وہ اپنے اعلےٰ مقام سے گر جاتا ہے اور حیوانی درجہ میں آجاتا ہے۔ لندن میں جس طرح ہائڈ پارک میں حیوانوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے کسی قسم کا شرم و حیا نہیں کیا جاتا۔ تو ایک شخص انسانیت کو ضبط رکھکر دیکھے۔ تو ایسی بہشت اور راحت سے ہزار بار توبہ کریگا۔ اور ایسی دیوث اور بے غیرت جماعت سے پناہ مانگے گا۔

ایسے لوگوں کو جو اس قسم کی اوباشانہ زندگی بسر کرتے ہیں بہشت میں سمجھنا
نری حماقت ہے۔ خوب یاد رکھو۔ کہ اصل اور سچی بات یہی ہے۔ کہ بہشت کی
کلید تقوے ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالے پر کامل بھروسہ نہیں۔ اسے سچی راحت
کیونکر مل سکتی ہے۔ بعض آدمی ایسے بھی دیکھے گئے ہیں۔ کہ جن کا خدا تعالیٰ پر بھروسہ
نہ تھا۔ اور ان کے پاس روپیہ تھا۔ جو چوری چلا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی زبان بند
ہوگئی۔ پھر ان دکفار کی جنھیں بہشت میں کہا جاتا ہے۔ خودکشیوں کو دیکھو۔ کہ
کس کثرت سے ہوتی ہیں ذرا ذرا سی بات پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ جس سے معلوم
ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ضعیف القلب اور پست ہمت ہوتے ہیں۔ کہ ذرا سے
غم کی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جس شخص میں غم کی برداشت اور مصیبت کے
مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اسکے پاس راحت کا سامان بھی نہیں ہے۔ خواہ ہم اُس
کو سمجھا سکیں یا نہ سمجھا سکیں۔ اور کوئی اسے سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے۔ حقیقت الامر
یہی ہے۔ کہ لذائذ کا مزہ صرف تقوے سے ہی آتا ہے۔ جو شخص متقی ہوتا ہے۔
اس کے دل میں راحت ہوتی ہے۔ اور ایک ابدی سرور ہوتا ہے۔ دیکھو جب ایک
شخص کا اپنے ایک دوست کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ تو اسے کس قدر خوشی راحت
معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح جس شخص کا خدا تعالیٰ سے تعلق ہو۔ اسے کس قدر خوشی
میسر ہو جائیگی۔ لیکن جن لوگوں کا خدا تعالے سے تعلق نہیں ہے۔ ان کو کیا امید
ہو سکتی ہے۔ اور امید ہی تو ایک چیز ہے جس سے بہشتی زندگی شروع ہوتی ہے۔
ان مہذب ممالک میں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں۔ کہ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ
ان لوگوں کے دلوں میں کوئی راحت نہیں۔ ذرا دنیاوی راحت کا سامان کم ہوا۔
اور جھٹ خودکشی کر لی۔ لیکن اسکے خلاف جو شخص حقیقی تقوے رکھتا ہے۔
اور اللہ تعالے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسکو وہ جاودانی خوشی حاصل ہے۔ جو
سچے ایمان کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی جملہ اشیاء معرض تغیر و تبدل
میں ہیں۔ اور ان پر مختلف قسم کی آفات آتی رہتی ہیں۔ بیماریاں حملے کرتی ہیں۔
کبھی اولاد وفات پا جاتی ہے۔ غرض کوئی نہ کوئی دُکھ اور تکلیف رہتی ہے۔
فی الحقیقت دنیا جائے آفات ہے۔ اور اسکی آفات انسان کو سُکھ کی نیند

نہیں سونے دیتیں جس قدر انسان کے تعلقات وسیع ہوتے ہیں۔ اسی قدر اُسکی آفتوں اور مصیبتوں کا میدان وسیع ہوتا ہے۔ اور یہ آفتیں اور بلائیں انسان کے منزلی تعلقات میں ایک غم کو پچاس گنا بڑھا دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر ایک شخص اکیلا ہو۔ تو اسے غم بھی کم ہو۔ لیکن جب اسکے ساتھ بیوی۔ بچے۔ ماں باپ۔ بہن۔ بھائی اور دوسرے تعلق دار ہوتے ہیں۔ تو پھر ان میں سے کسی کو ذراسی تکلیف ہوئی۔ اور یہ بیچارہ مصیبت میں پڑگیا۔ تعلقات دنیاوی کے اس قدر مجموعہ کے ساتھ تو اسی وقت راحت ہوسکتی ہے۔ جبکہ اُن میں سے کسی کو کوئی بیماری یا دکھ تکلیف نہ ہو۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے۔ کہ مال سے انسان کو راحت ہوتی ہے یہ غلط بات ہے۔ کہ نرے مال سے راحت حاصل ہوسکتی ہے۔ فرض کرو۔ کہ ایک شخص کے پاس مال بہت سا ہے۔ لیکن اُسکی صحت اچھی نہیں۔ مثلاً معدہ خراب ہے تو کیا وہ بہشتی زندگی ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ مال بھی حقیقی راحت کا موجب نہیں ہے۔ یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ وہی ہر پہلو سے بہشتی زندگی رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ قادر ہے کہ اس پر بلائیں اور آفتیں نہ آئیں۔ اور مالی اضطرار بھی اُسے نہ ہو۔ یا اگر ان میں سے کوئی ابتلاء اس پر آئے۔ تو اسکے دل میں ایسی قوت اور ہمت بخشدے۔ کہ وہ ان کا مقابلہ کرسکے۔ انسان کی عافیت کے لئے جس قدر مختلف پہلو ہیں۔ وہ کسی بادشاہ کے قبضہ قدرت میں بھی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ سب صرف ایک ہی ہستی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اور جسے چاہے عطا کردے بعض لوگ اس قسم کے دیکھے گئے ہیں۔ کہ ان کے پاس روپیہ پیسہ سب کچھ موجود ہوتا ہے۔ لیکن مسلول مدقوق ہوجاتے ہیں۔ اور انہیں زندگی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ پس ان کروڑہا آفات کا جو انسان کو لگی ہوئی ہیں۔ کون بند وبست کرسکتا ہے اور اگر اسے رنج ہو۔ تو صبر جمیل کون دے سکتا ہے؟ صرف اللہ ہی ہے جو یہ سب باتیں اسے عطا کرسکتا ہے۔ صبر بھی بڑی چیز ہے۔ جو انسان کو بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں کے وقت بھی غم کو پاس نہیں آنے دیتا۔ بعض اس قسم کے امیر ہوتے ہیں۔ کہ راحت اور عافیت کے زمانہ میں بہت مغرور اور متکبر ہوجاتے ہیں۔ اور

جب ذرا سا غم و رنج ہوتا ہے۔ تو بچّوں کی طرح چلّانا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم کسی انسان کا نام نہیں لے سکتے۔ کہ جس پر حوادث زمانہ نہ آئیں۔ اور اسکے متعلقین کو رنج نہ پہنچے۔ اسلئے خوب یاد رکھو۔ کہ بہشتی زندگی صرف اسی شخص کی ہوسکتی ہے۔ جس پر اللہ تعالی کا فضل ہو۔ اسلئے یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کہ کسی شخص کے سفید کپڑے دیکھکر کہدیا جائے۔ کہ وہ بہشتی زندگی رکھتا ہے۔ اگر تم خود اس سے جاکر پوچھو۔ تو تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ اپنی کس قدر مصیبتیں اور رنج و غم تمہیں سنائیگا۔ صرف عمدہ کپڑے پہنے دیکھ کر یا بگیوں پر سوار دیکھکر اور شراب کے نشہ میں مخمور دیکھکر خیال کر لینا۔ کہ وہ دنیا کے تفکرات سے آزاد ہے۔ اور بہشتی زندگی بسر کر رہا ہے۔ غلطی ہے۔ اباحتی زندگی بجائے خود جہنم ہے جسمیں کسی قسم کا ادب اخلاق اور اللہ تعالے سے تعلق نہیں ہوتا۔ اس سے بڑھکر اور کونسی جہنمی زندگی ہوگی۔ کتا خواہ مردار کھالے خواہ بدکاری کرلے کیا یہ بہشتی زندگی ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح جو انسان مردار کھاتا ہے۔ اور بدکاریوں میں مبتلا ہے۔ حرام و حلال میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔ وہ لعنتی زندگی بسر کرتا ہے اسے بہشتی زندگی سے کیا تعلق۔ یہ سچی بات ہے۔ کہ بہشتی زندگی صرف انہیں لوگوں کی ہوتی ہے۔ جن کو اللہ تعالی پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اسلئے وہ یَتَوَلَّی الصَّالِحِیْنَ کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالی کی حفاظت اور تولی کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالی سے دور رہتا ہے۔ اسکی زندگی کا ہر دن اور ہر لمحہ ترساں و لرزاں ہی گذرتا ہے۔ اور وہ کبھی خوش نہیں ہوسکتا۔

سیالکوٹ میں ایک شخص رشوت لیا کرتا تھا۔ اور کہا کرتا تھا۔ کہ وہ ہر وقت زنجیر ہی دیکھتا ہے۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ بُرے کام کا انجام بھی بد ہی ہونا چاہیئے۔ اسلئے بدی ایسی چیز ہے۔ کہ انسان کی روح اس پر راضی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر بدی میں لذت کہاں۔ ہر بُرے کام میں آخر دل پر ٹھوکر لگتی ہے۔ اور انسان اپنے دل پر ایک کثافت محسوس کرتا ہے۔ اور اسے احساس ہو جاتا ہے۔ کہ اسنے کیوں ایسی حماقت کی۔ اور اپنے اوپر لعنت کرتا ہے۔ ایک شخص نے بارہ آنے کے عوض میں ایک بچہ مار دیا تھا۔ غرض بہشتی زندگی بجز اسکے کوئی نہیں۔ کہ انسان

بدی سے بچے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ مصیبت آنے سے پہلے جو شخص اللہ تعالےٰ کیطرف رجوع کرتا۔ اور اس پر بھروسہ کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصیبت پڑنے پر اُسکی مدد کرتا ہے۔ لیکن جو شخص پہلے سویا ہُوا ہوتا ہے۔ وہ مصیبت کے وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

خیال زلف تو جستن نہ کار خاماں است ہمیں کہ زیر سلسلہ رفتن طریق عیاری است

اللہ تعالیٰ غنی اور بے پرواہ ہے۔ بیکانیر وغیرہ کے علاقہ جات میں جب قحط پڑا۔ تو لوگ اپنے بچوں تک کو کھا گئے۔ یہ اِسی لئے ہُوا۔ کہ وہ خدا کے ہو کر نہ رہے۔ اگر وہ اُسکے ہو کر رہتے۔ تو بچوں پر یہ بلا ہرگز نہ آتی۔ قرآن شریف اور حدیث سے ثابت ہے اور اسی طرح کتب سابقہ سے پایا جاتا ہے۔ کہ والدین کی بدکاریاں بچوں پر بھی بعض وقت آفت لاتی ہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا۔ جو لوگ لاابالی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو جو شخص دنیا میں اپنے آقا کو چند یوم سلام نہ کرے۔ تو آقا کی نظر بگڑ جاتی ہے۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق قطع کرلے۔ پھر خدا کیوں اُسکی پرواہ کریگا۔ اسی لئے وہ فرماتا ہے۔ کہ وہ ایسے لوگوں کو ہلاک کر کے اُن کی اولاد کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اسی سے معلوم ہُوا۔ کہ جو شخص صالح اور متقی وفات پا جائے۔ اللہ تعالےٰ اسکی اولاد کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ اُن کے باپ کی نیکی اور تقوی کے سبب سے اللہ تعالےٰ نے خضر اور موسےٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو مزدور بنا دیا۔ کہ وہ ان لڑکوں کی دیوار کی مرمت کر دیں۔ اسی سے اُن کے باپ کا درجہ معلوم ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے لڑکوں کا ذکر نہیں کیا۔ چونکہ وہ ستار ہے۔ اس لئے پردہ پوشی کے لحاظ سے اور باپ کے محل مدح میں ذکر ہونے کی وجہ سے اُن کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ کتب سابقہ میں بھی اسی قسم کے واقعات ملتے ہیں۔ کہ سات پشت تک نیکی کی رعایت اللہ تعالیٰ رکھتا ہے حضرت داؤد ؑ فرماتے ہیں۔ کہ انہوں نے کبھی متقی کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ غرض نشاط خدا کا رزق ہے جو غیر کو نہیں ملتا اور صرف متقی کا حق ہوتا ہے۔ (الحکم جلد ۶ ۳۰)